۴۸۷۴ع
غایت المرام
فی
ضرورة الامام

حجۃ الاسلام نائب امام سرکار شریعتمدار علامہ السید حشمت علی صاحب قبلہ مجتہد خیر اللہ پوری

printed at Durga Art Press Anarkali Lahore.

یوم ندعوا کل اناسٍ بامامہم

الحمد للہ والمنۃ کہ ایں رسالہ

غایۃ المرام فی ضرورۃ الامام

مصنفہ اعلیحضرت حجۃ الاسلام نائب امام سرکار شریعتمدار علامہ
السید حشمت علی صاحب قبلہ خیر اللہ پوری مجتہد العصر والزمان دام ظلہ العالی

حسب فرمائش

منیجر کتب خانہ اثناء عشری رجسٹرڈ لاہور۔ کوچہ مغل حویلی

موچی دروازہ زیور طبع یافت

بار اول

تعداد ۱۰۰۰

قیمت فی جلد ۱۰

[illegible] شیخ عطا محمد [illegible] تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

اِطلاع

اس رسالہ کا حق تصنیف جناب مصنّف صاحب
موصوف نے ہم کو عنائت فرمادیا ہے۔ لہذا کوئی
صاحب قصد طبع نہ فرماوے۔ ورنہ بجائے فائدہ
کے نقصان اٹھائے گا۔ اور جس قدر جلدیں درکار
ہوں مندرجہ ذیل پتہ سے طلب فرماویں:۔

مینیجر کتب خانہ اثناء عشری رجسٹرڈ لاہور

موچی دروازہ کوچہ مغل حویلی

الحمد للہ رب العالمین والسلام علیٰ سید المرسلین و آلہ الطاہرین بعد از حمد و صلوٰۃ احقر عباد اللہ سید حشمت علی ابن الحاج سید جماعت علی خیر اللہ پوری عرض کرتا ہے کہ سید مسدّد و مہذّب صاحب الفضل والکمال سیّد خادم علی شاہ صاحب وزیر آبادی نے سوال فرمایا۔ کہ اب تک ہم کو ثابت نہیں ہوا کہ امام غائب کا زمانہ غیبت میں ہم کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ پس ایسا رسالہ لکھا جاوے کہ جس میں ادلہ عقلیہ سے ثابت کر دیا جائے کہ **امام کا ہونا ہر زمانہ میں ضروری ہے اور فائدہ امام غائب کا مثل امام ظاہر کے** ہے اور اس سے کم نہیں ہے۔ پس جبکہ اصرار اور ابرام حضرت کا حد سے گزر گیا تو بندہ سے بھی قبول التماس میں کوئی عذر نہ ہو سکا اور باوجود عدم استطاعت اور بے بضاعتی کے تحریر پر اقدام کیا۔ اس رسالہ کا نام **غایت المرام فی ضرورت الامام** ہے اور اسے ایک مقدمہ اور دو فصلوں اور ایک فائدہ اور ایک تتمہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ **مقدمہ** در بیان وجود اختلاف مذاہب در مسئلہ امامت اور بیان میں مذاہب مختلفہ کے وجوب نصب امام میں **فصل اول** بیان میں ان ادلہ کے جو علماء امامیہ

نے وجوب نصب امام میں اپنی کتب و تصانیف میں بیان فرمائی ہیں۔ گویا ترجمہ ان ادلہ کا بلفظہ یا بطور خلاصہ کے کیا گیا ہے۔ **فصل دوسری** ان ادلہ کے بیان میں جو کہ اس حقیر نے قواعد حکمیہ فلسفیہ سے وجوب نصب امام میں استنباط کی ہیں اور تائید کی گئی ہے۔ ان دلائل کے ساتھ احادیث نبیؐ و آئمہ طاہرین کے اور میں ان کے بیان میں متفرد ہوں اور **فائدہ** میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ظاہر ہو یا غائب فائدہ میں مساوی ہیں اور **تتمہ** بیان میں بعض فوائد امام غائب کے ہے جو آیات قرآن سے ثابت کئے گئے ہیں ؎

گیلانی پریس ہسپتال روڈ لاہور میں منشی نظام الدین پرنٹر کے اہتمام سے چھپی اور شیخ رحمت علی پبلشر نے مغل حویلی موچی دروازہ لاہور سے شائع کی

مقدمہ

دربیان وجوہ اختلاف مذاہب اور مسئلہ امامت اور بیان میں مذاہب مختلفہ کے وجوب نصب امام میں

واضح ہو کہ مسئلہ امامت اعظم مسائل خلافیہ سے ہے بلکہ تمام اختلافات دینیہ اسی اختلاف پر متفرع ہیں۔ اور تمام مذاہب ہفتاد و سہ گانہ اسی اختلاف پر منشعب ہیں چنانچہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی صاحب کتاب ملل و نحل فرماتے ہیں اعظم خلاف بین الامۃ خلاف الامامۃ اذ ماسل سیف فی الاسلام علی قاعدۃ دینیۃ مثل ماسلّ علی الامامۃ فی کل زمان۔ یعنی بزرگترین اختلاف امت میں اختلاف امامت کا ہے۔ اس لئے کہ نہیں کھینچی گئی تلوار اسلام میں کسی قاعدہ دینیہ پر مثل اس کے کہ کھینچی گئی ہے اوپر امامت کے ہر زمانہ میں۔ بالجملہ اختلاف اس مسئلہ میں کئی طرح پر ہے۔ منجملہ وجوہ اختلاف ایک یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصول دین سے ہے یا کہ فروع دین سے جمہور اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے

پہلا اختلاف۔ حاشیہ:۔ اصول دین وہ ہیں کہ جن کے نہ جاننے اور نہ ماننے سے انسان کافر ہوتا ہے۔ مگر فروع دین کے نہ جاننے یا انپر عمل نہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ اصول دین دل سے جاننے ماننے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور فروع دین عمل کرنے کے ساتھ مثلاً خدا کی توحید یا نبی کی نبوت یا قیامت (بقیہ اگلا صفحہ)

مسئلہ امامت فروع دین سے ہے۔ دلیل انکی یہ ہے کہ بقائے دین موقوف نہیں ہے وجود امام پر بلکہ نظام امور مسلمین موقوف اور منوط ہے وجود امام پر پس اگر امور مسلمین کسی اور طرح پر سوائے امام کے منتظم ہوسکیں تو امام کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ شارح مقاصد فرماتے ہیں لانزاع فی انّ مباحث الامامۃ بعلم الفروع الیق یعنی کوئی نزاع نہیں ہے اس امر میں کہ مباحث امامت علم فروع میں لائق تر ہے۔ اور دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ قیام بامامت ونصبؔ امام از فروض کفایات ہے۔ جو عبارت امور کلیہ سے ہے۔ کہ جن کی تحصیل کا قصد شارع پیغمبر علیہ السلام نے ہر ایک سے نہیں کیا بلکہ فی الجملہ کیا ہے۔ اور کوئی خفا نہیں ہے اس میں کہ یہ بات احکام عملیہ سے ہے نہ کہ امور اعتقادیہ سے لیکن چونکہ لوگوں میں باب امامت میں اعتقادات فاسدہ اور اختلافات باردہ شائع ہوگئے ہیں

(سابقہ صفحہ کا بقیہ) وغیرہ کے مسئلے اصول دین میں سے ہیں۔ اور یہ صرف ایمان لانے کے متعلق ہیں۔ اور نماز۔ روزہ حج۔ زکوۃ۔ جہاد وغیرہ فروع دین میں سے ہیں اور یہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس جگہ بحث یہ ہے کہ نبی کی نبوت کی طرح امام کی امامت ایسی چیز ہے یا نہیں۔ کہ جس پر ایمان لانا ضروری ہو اور اگر ایمان نہ لائیں۔ تو کفر لازم آوے۔ حضرات اہلسنت یہ فرماتے ہیں کہ امامت اصول دین میں سے نہیں ہے۔ کہ اگر اسے نہ مانا جائے تو کفر لازم آئے۔ بلکہ کسی کو امام بنالینا یا کسی کا امام بن جانا امت پر ایک فرض ہے اور وہ فرض بھی فرض کفایہ ہے۔ ایسے فرض کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک شخص اسے بجالائے۔ اگر چند اشخاص ہی بجا لائیں تو ادا ہو جاتا ہے۔ پس امام بن جانا یا امام بنالینا عمل سے متعلق ہے۔ ایمان سے متعلق نہیں ہے۔ اس لئے فروع دین سے ہے۔ مگر حضرات امامیہ فرماتے ہیں کہ جیسے نبی کی نبوت اصول دین سے ہے ویسے ہی امام کی امامت ہے۔ نبی دین کو ابتداءً جاری کرتا ہے اور امام اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اور حدیث بھی ہے کہ جو شخص امام کو نہ جانے کی حالت میں مرے وہ کافر مرتا ہے۔ پس ایمان کے واسطے امام کا جاننا ضروری ہے۔ اور اصول دین ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے نہ جاننے سے کفر لازم آتا ہے۔ اس لئے امامت اصول دین سے ہے۔ ۱۲ فقط

(خاکسار خادم علی)

خصوصًا فرقہائے روافض اور خوارج میں لہٰذا متکلمین نے باب امامت کو ابواب علم کلام میں (کہ جس میں اصول دین کا بیان ہوتا ہے) الحاق کر دیا ہے۔ انتہی کلام شارح المقاصد ۔

جمہور امامیہ امامت کو اصول دین سے جانتے ہیں۔ دلیل انکی یہ ہے کہ بقائے دین و شریعت موقوف ہے وجود امام پر جیسا کہ ابتدائی اجرائے شریعت و دین موقوف ہے وجود نبی پر پس دین کو بقا کے لئے امام کی ایسی ضرورت ہے جیسے کہ اس کے پہلے اجرائے کے لئے نبی کی ضرورت ہے۔ اور مفصل بیان اس کا مبحث نبوت میں ہوتا ہے۔ اور نیز حدیث مستفیض مقبول بین الفریقین کہ قول مضمون ان بحسب الظاہر اجماعی امت ہے۔ موید اس مطلب کی ہے۔ وھو قولہٗ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو شخص مرگیا درآنحالیکہ نہیں پہچانا۔ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو وہ موت جاہلیۃ کی مرا یعنی کافر مرگیا۔ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ امامت اصول دین سے ہے۔ کہ جس کے عدم معرفت سے کفر لازم آتا ہے اور مسائل فروعیہ ایسے نہیں ہیں کہ جنکی عدم معرفت یا عدم عمل سے کفر لازم آوے کما لا یخفی

دوئم از وجوہ اختلاف عصمت امام ہے۔ امامیہ عصمت امام کو واجب جانتے ہیں دلیل اس پر یہ بیان فرماتے ہیں کہ وجود امام از جملہ مقومات دین ہے اور با عدم عصمت تبدیل

حاشیہ: ۔ معصوم ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ جس سے کسی حالت میں کوئی گناہ صادر نہ ہو سکے۔ ایسے شخص کو معصوم نہیں کہتے جو کوئی گناہ نہ کرے۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک دن صبح سے شام تک نماز اور ورد میں مشغول رہے اور دوسرا کوئی کام نہ کرے تو خواہ اس نے اس دن گناہ تو کوئی نہیں کیا۔ مگر وہ معصوم اس روز بھی نہیں رہا۔ کیونکہ اس میں اس روز بھی گناہ کرنے کی قابلیت تو رہی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو اس روز کسی وقت گناہ کر سکتا تھا۔ معصوم اسے کہتے ہیں۔ کہ جس سے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ گناہ صادر ہو۔ معصوم میں گناہ کی قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ پس اگرچہ یہ امر تو دیکھا جا سکتا اور معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر یہ امر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ اس میں گناہ کرنے کی قابلیت بھی تھی یا نہیں۔ پس کسی شخص کا معصوم ہونا صرف خدا کی گواہی سے یا ایسے شخص کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے جو خود معصوم ہو تاکہ یہ گمان بھی نہ ہو سکے کہ اسکا کہنا کسی طرح سے بھی غلط ہو۔ اور ظہور شہادت الٰہی کا ایک طریقہ صدور معجزہ از معصوم ہے [illegible]

اور تغیر سے محفوظ اور مامون نہیں ہو سکتا اور غیر از فرقہ امامیہ عصمت کو امام میں شرط نہیں جانتے
اس لیئے کہ ان کے نزدیک قوام اور حفظ دین منوط اور مربوط بوجود امام نہیں ہے پس باعتقاد
ان کے امام اگر دین میں تحریف کرے تو دوسرے لوگ اس کو منع بلکہ معزول کر سکتے ہیں۔
اور اس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ اور امام الحرمین نے جو کہ اعاظم علمائے اہلسنت سے ہے بیان
فرمایا ہے۔ کہ جبکہ امام کا ظلم اور جور ظاہر ہو جاوے اور منع قولی سے وہ منزجر نہ ہو سکے تو ہر آئینہ
اہل حل وعقد کو لائق ہے کہ اتفاق کریں اوپر منع فعلی کے اگرچہ محتاج ہوں بہ تشہیر اسلحہ
ونصب حروب۔

اور جاننا چاہیے کہ امامیہ کے نزدیک جیسا کہ شرط ہے کہ امام گناہوں سے معصوم ہو ویسا
ہی شرط ہے کہ عیوب سے بھی معصوم ہو۔ خواہ عیوب جسمانی ہوں مانند امراض مزمنہ مستکرہ منفرہ
مثل جذام وبرص وعمی وصمم وخرس کے۔ اور خواہ عیوب نفسانی ہوں مانند اخلاق ذمیمہ مثل بخل
وخست وغلظت وفظاظت کے۔ اور خواہ عیوب عقلی ہوں مانند جہل وجنون وامراض نفسیہ علوم کے
جیسا کہ واجب ہے کہ امام ابتدا ہی سے عیوب جسمانی اور نفسانی اور عقلی سے معصوم اور پاک ہو
ویسا ہی واجب ہے کہ طریان عیوب مذکورہ سے بھی خالی ہو مثلاً جائز نہیں ہے کہ کسی وقت
میں امام مجذوم یا مجنوں یا اعمیٰ ہو جاوے۔ واضح ہو کہ مفہوم عصمت میں مشہور عدم ذنوب کو
اعتبار کرتے ہیں اور خلو از عیوب مذکورہ کو علیحدہ شرط جانتے ہیں اور امام میں محض خلو از عیوب
کافی نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ امام اس حیثیت کا ہو کہ عیوب مذکورہ اس پر طاری نہ ہو
سکیں جیسا کہ عصمت مشہورہ میں محض ذنوب سے خالی ہونا کافی نہیں ہے بلکہ واجب ہے
کہ امام اس حیثیت کا ہو کہ عمد وخطا اس سے جائز ہی نہ ہو۔ علاوہ برآں عیوب نسبی سے بھی
خالی ہونا لازمی ہے۔

سوئم از وجوہ اختلاف وجوب نص ہے فرقہ امامیہ چونکہ امام میں عصمت کو شرط جانتے
ہیں۔ اور عقول انسانی معرفت عصمت سے قاصر ہیں۔ اس لیئے عصمت ایک امر باطنی ہے

پس واجب ہوا ورود نص کا واسطے اثبات امامت امام کے۔ اور غیر امامیہ چونکہ عصمت کو شرط نہیں جانتے۔ لہٰذا قائل بوجوب نص نہیں ہیں ❖

چہارم از وجوہ اختلاف افضلیت ہے۔ جمہور قائلین بحسن و قبح عقلیین افضلیت امام کو واجب جانتے ہیں۔ بنابر قبح تقدیم مفضول بر فاضل اور غیر امامیہ واجب نہیں جانتے ❖

پنجم از وجوہ اختلاف یہ ہے کہ واجب ہے کہ امام اشرف قبائل سے ہو۔ جمہور اہلسنت واجب جانتے ہیں کہ امام قبیلہ قریش سے ہو جو اشرف قبائل ہے بالاتفاق لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الائمۃ من قریش یعنی آئمہ قریش سے ہیں اور قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدموا القریش یعنی قریش کو مقدم کرو۔ اور اجماع صحابہ یوم سقیفہ جبکہ انصار نے کہا ہم اپنے میں سے امیر بناتے ہیں اور تم اپنے میں سے امیر بناؤ تو حضرت ابوبکر نے انکو منع کیا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم قریش میں سے نہیں ہو یہ سنکر سب خاموش ہو رہے۔ کسی نے صحابہ میں سے انکار نہ کیا۔ مگر خوارج اور

حاشیہ بر اختلاف چہارم۔ ہر ایک کام کے حسن و قبح یعنی نیکی اور بدی میں دو مذہب ہیں۔ ایک مذہب تو یہ ہے کہ ہر ایک کام کی نیکی یا بدی کا معیار عقل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نیک کام وہ ہے جس کا کرنیوالا اس کام کے کرنے کے باعث مدح اور جزائے نیک کا مستحق ہو اور اس جزائے نیک کو جو خدا کی طرف سے ملے ثواب کہتے ہیں اور بدکام وہ ہے جس کا کرنیوالا اس کے کرنیکے باعث مذمت اور اجر بد کا سزاوار ہو اور وہ اجر بد جو خدا کی طرف سے ملے اسے عذاب کہتے ہیں۔ اس مذہب کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک کام اپنے آپ میں بُرا یا بھلا ہوتا ہے (۱) بعض کام ایسے ہوتے ہیں جنکی بھلائی یا برائی ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ اس سچ بولنے کی بھلائی جس سے انعام ملے اور اس جھوٹ بولنے کی برائی جس سے سزا ملے (۲) بعض کام ایسے ہوتے ہیں جنکی بھلائی برائی ایسی ظاہر نہیں ہوتی غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے جیسے کہ اس سچ بولنے کی برائی جس سے جان یا ایمان خطرہ میں ہو (۳) اور بعض کام ایسے ہوتے ہیں جنکی بھلائی یا برائی سمجھنے میں عقول قاصر رہتی ہیں اگرچہ وہ بھی بھلے یا بُرے ہوتے ضرور ہیں ایسے کاموں کو شرع کی امداد سے برا یا بھلا کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک شرع خود مطابق عقل ہے اور یہی مذہب امامیہ کا ہے یعنی وہ قائل بحسن و قبح عقلیین ہیں۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ کوئی کام بذاتہ برا یا اچھا نہیں ہے سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ جسے نقل یعنی شرع نے اچھا کہدیا اسے ہم بھی شرع کی تابعداری سے اچھا کہتے ہیں اور جسے شرع نے برا کہدیا اسے ہم بھی شرع کی تابعداری سے برا کہتے ہیں اگر شرع کہدے کہ جھوٹ بولنا اچھا ہے تو وہی اچھا ہو اور اگر شرع کہدے کہ سچ بولنا برا ہے تو وہ برا ہے۔ یہ مذہب اہلسنت کا ہے یعنی وہ قائل بحسن و قبح نقلی ہیں ❖

معتزلہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے اور متمسک خوارج اور معتزلہ کا دلیل نقلی اور عقلی ہے۔ دلیل نقلی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اطیعوا ولو امر عبد حبشی یعنی تم اطاعت کرو اگرچہ حاکم بنایا جاوے تم پر غلام حبشی کو۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قیام بمصالح ملک اور دین میں نسب معتبر نہیں ہے بلکہ علم و تقویٰ بصیبرۃ در امور معتبر ہے اور جمہور اہلسنت نے جواب دیا ہے دلیل نقلی کا اس طور پر کہ یہ حدیث در حق غیر امام ہے۔ از حکام جمعًا بین الادلۃ اور دلیل عقلی کا اس طور پر کہ شرافت انسان اور عظمت قدر انسان کو نفوس میں بڑا کامل اثر ہے اور قریش سے لائق تر اس امر کے لیئے کوئی نہیں ہے کیونکہ وہ اشرف الناس ہیں خصوصًا اس لیئے کہ ختم رسالت اسی قوم پر منجر ہوئی اور اسی قوم سے شریعت منتشر ہوئی جو کہ قیامت تک باقی ہے۔ یہ جواب شارح مقاصد نے دیا ہے اور تعجب یہ ہے کہ جواب دیگر بعد ازاں لکھتا ہے کہ فرقہ شیعہ نے امام کے لیئے اور کئی شرائط مقرر کی ہیں۔ منجملہ انکے یہ شرط ہے کہ ہاشمی ہو حالانکہ فرقہ شیعہ کے پاس اس شرط کے لیئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب ہم شارح مقاصد کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ تم نے جو جواب معتزلہ کی دلیل عقلی کا بیان کیا ہے اگر تمہارا وہ جواب بمقابلہ معتزلہ اور خوارج کے درست ہے۔ تو ہماری یہ شرط ہاشمیت کی بھی درست اور صحیح ہے کیونکہ ہاشمیت بلاشبہ اشرف بطون قریش ہیں اور ختم رسالت و انتشار شریعت بطون قریش میں سے بطن ہاشم کے ساتھ مخصوص ہے اور تقدیم اشرف بر غیر اشرف نزدیک امامیہ کے واجب ہے ⁂

ششم از وجوہ اختلاف وجوب نصب امام در ہر زمان ہے یہ وہ مسئلہ ہے کہ خاص کر جس مسئلہ کی تحقیق کے واسطے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ گو مسئلہ امامت میں علاوہ ان وجوہ مذکورہ

حاشیہ بر اختلاف ششم ۔ نصب امام عقلًا واجب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ عقل بغیر کسی حکم شرعی کی تابعداری کے امام کا ہونا ہر زمانہ میں لازم مانتی ہے۔ امامیہ امامت کو اصول دین میں سے مانتے ہیں اور اصول دین وہ ہیں جن کے جاننے میں عقل کسی حکم شرعی کی محتاج نہیں ۔ مثلًا خدا کا جاننا اصول دین میں سے ہے۔ پس ہر شخص اپنی عقل سے

بقیہ اگلا صفحہ

کے اور وجوہ اختلاف بھی بہت ہیں لیکن ہم کو اس مقام پر سوائے ایک خاص وجہ کے اور کوئی بحث کرنا مطلوب اور مقصود نہیں ہے - لہذا ہم اسی مسئلہ وجوب نصب امام کو جو ایک معرکتہ الآرا مسئلہ ہے اور آج کل اس کے لکھنے کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے شروع کرتے ہیں جاننا چاہئے کہ اختلاف اس میں یہ ہے کہ نصب امام واجب ہے یا نہیں - اور بر تقدیر وجوب لوگوں پر واجب ہے یا کہ خدا پر - اور بر تقدیر وجوب نصب علی اللہ او علی الناس سمعاً واجب ہے یا عقلاً -
جمہور اہلسنت اور اکثر معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے سمعاً - اور ایک گروہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے عقلاً - اور شیعہ قائل ہیں کہ نصب امام خدا یتعالیٰ پر واجب ہے عقلاً اور طائفہ نجدیہ از طوائف خوارج قائل ہیں کہ نصب امام اصلاً واجب ہی نہیں ہے اور ابو بکر اصم از معتزلہ قائل ہے - اس بات کا کہ جب کہ عدل اور انصاف ظاہر ہو اور وقوع فتن سے امن ہو تو نصب امام واجب نہیں ہے - اور

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) جانتا ہے کہ خدا ہے یہ نہیں کہ خدا کا ہونا کسی نبی کے بتانے سے معلوم ہو کیونکہ نبی ایک شخص خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے - اگر لوگ نبی کے آنے سے پہلے خدا کا ہونا نہ جانتے ہوں تو نبی کی تصدیق کس طرح سے کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے اگر نبی سے خدا کی تصدیق کرتے ہوں تو دور لازم آتا ہے - اس طرح پر کہ نبی کی تصدیق خدا کے جاننے پر موقوف ہوگی اور خدا کا جاننا نبی کی تصدیق پر اور دور باطل ہوتا ہے - اس لئے امامیہ کے نزدیک امامت ایسی چیز ہے - جس کے ضروری ہونے پر عقل مستقل طور پر حکم کرتی ہے - پس ان کے نزدیک نصب امام عقلاً واجب ہے اور نصب امام سمعاً واجب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ عقل کے رو سے امام کا ہونا لازمی نہیں ہے بلکہ امام کا ہونا صرف اس واسطے مانا جاتا ہے کہ شرع میں حکم آچکا ہے - اگر شرع میں حکم نہ ہوتا تو نہ مانا جاتا جن کے نزدیک امامت اصول دین میں سے نہیں ہے - بلکہ فروع دین میں سے ہے - جیسے نماز روزہ وغیرہ جو صرف شرع کی تابعداری سے واجب ہوتے ہیں - ان کے نزدیک امامت ایک سمعی مسئلہ ہے - فقط

(خاکسار خادم علی)

جب فتنوں کے وقوع کا اندیشہ ہو اور عدل و انصاف ظہور میں نہ آوے تو نصب امام واجب ہے، اور ھشام غوطی از معتزلہ قائل ہے برعکس ابوبکر اصم کے یعنی جبکہ عدل و انصاف ظہور میں آتا ہو اور فتنوں کے وقوع سے امن ہو تو نصب امام واجب ہے واسطے اظہار شعائر اسلام اور شرع کے ۔ اور جب فتنوں کے وقوع کا اندیشہ ہو اور عدل و انصاف ظہور میں نہ آوے تو نصب امام واجب نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں ظالم لوگ اس کی اطاعت نہیں کرینگے ۔ اور زیادتی فتنوں کا باعث ہوگا اور جمہور اہلسنت کا جو یہ عقیدہ ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے سمعاً مستند انکی چند وجوہ ہیں وجہ اول جو انکے نزدیک سب سے عمدہ ہے اجماع صحابہ ہے کیونکہ صحابہ نے وقت رحلت حضرت سرور کائنات کے نصب امام کو اہم واجبات تصور کرکے سرور کائنات علیہ السلام کے غسل و کفن اور دفن اور نماز جنازہ میں بھی شریک ہونے کو ضروری تصور نہ فرمایا۔ جیساکہ علامہ قوشجی نے جو اجلہ علماء اہلسنت سے ہیں شرح تجرید میں اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ جانتے تھے کہ نبوت اور رسالت ختم ہوگئی ہے۔ اور آئندہ اس ختم المرسلین اور فخر الاولین والآخرین کو نہ دنیا پر آنا ہے اور نہ دوبارہ فوت ہونا ہے اور نہ ایسی سعادت حاصل کرنے کا کسی کو عمر بھر بلکہ قیامت تک کوئی اور موقعہ ملنا ہے۔ مگر تاہم انہوں نے ان سب واجبات اور فرائض سے پہلوتہی فرماکر نصب امام کو مقدم تصور فرمایا۔ چنانچہ خود حضرات علمائے اہلسنت روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے بعد وفات سرور کائنات کے فرمایا ایہا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ محمد فان ہو حی لا یموت یعنی جو کوئی کہ محمدؐ کی پرستش کرتا ہے تو حال یہ ہے کہ محمدؐ فوت ہوگئے ہیں اور جو کوئی کہ پرستش کرتا ہے خدائے محمدؐ کی پس وہ زندہ ہے نہیں مریگا۔ آؤ تم اور اپنی اپنی رائے پیش کرو اور بتاؤ کہ کون لائق تر ہے واسطے امامت کے۔ کسی نے انکار نہ کیا اور سب کہنے لگے کہ آپ سچ فرماتے ہیں یہ روایت بھی علامہ قوشجی نے شرح تجرید میں بیان فرمائی ہے۔ پس یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اجماع صحابہ سے حضرت

ابوبکر امام مقرر ہوئے **جواب** اب ہم اس مقام پر بجواب حضرات اہلسنت کے عرض کرتے ہیں کہ یہ دلیل جو وجوب نصب امام پر آپ نے بیان فرمائی ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے سمعاً عقلا کے نزدیک نہایت ہی ضعیف ہے کیونکہ اجماع صحابہ کا نصب امام پر ممنوع ہے۔ بلکہ جو کچھ کہ اس موقعہ کے بارہ میں معلوم اور صحیح ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ کتب سیر و تواریخ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر کوئی اجماع نہیں ہوا محض تنہا حضرت عمر کی بیعت سے حضرت ابوبکر کی خلافت منعقد ہوئی تھی جیسا کہ صاحب مواقف اور شارح مواقف نے صاف طور پر تصریح فرما دی ہے۔ اور قطع نظر اس کے اگر اجماع صحابہ کا تسلیم بھی کر لیا جائے تو تمام صحابہ مورد طعن ٹھہرتے ہیں کہ قبل از تحقق[1] اجماع انکے پاس وجوب نصب امام پر کون سی دلیل تھی۔ جو ایسے فرض اور واجب مثل غسل اور دفن رسولؐ اور نماز جنازہ رسولؐ کو چھوڑ کر نصب امام میں مشغول ہوئے اور کس دلیل سے ایسے فرائض اہمہ پر اس کو ترجیح دی گئی۔ ابھی اجماع تو منعقد ہی نہیں ہوا تھا کہ جس کو وہ دلیل قرار دیتے اور اگر نصب امام کے واجب ہونے کو عقل سے ثابت کیا تو یہ اہلسنت کا عقیدہ ہی نہیں ہے وہ صاف لکھتے ہیں کہ وجوب نصب امام عقلی نہیں ہے بلکہ سمعی ہے۔ چنانچہ اجماع کو وہ دلیل لاتے ہیں اور وہ اجماع کسی طرح سے دلیل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ حضرت سرور کائنات نے امت کے واسطے نصب او تعیین امام کے کوئی حکم نہیں فرمایا تھا۔ اور اجماع ابھی تک منعقد نہیں ہوا تھا اور قرآن بھی دلالت نہیں کرتا اور قیاس بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ حالانکہ ادلہ سمعیہ منحصر انہیں چار میں ہیں پس صحابہ کے پاس واسطے نصب امام کے

[1] ہونا

حاشیہ: اہلسنت اپنے مسائل چار چیزوں سے لیتے ہیں (۱) قرآن سے (۲) حدیث سے (۳) اجماع سے (۴) قیاس سے۔ انکے نزدیک نصب امام خدا کے حکم یا نبی کے فرمان سے نہیں ہوتا بلکہ امت کا اختیار ہے جسے چاہے امام بنا لے۔ پس وہ قرآن و حدیث سے تو وجوب نصب امام پر دلیل نہیں دیتے۔ وہ اصحابوں کے اجماع کو دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ اصحابوں نے غسل و کفن پیغمبر جیسے ضروری فرائض کو چھوڑ کر امام مقرر کیا اسلئے امام کا مقرر کرنا ضروری ہے اور وہ

کوئی دلیل نہیں تھی سوائے ہوائے نفسانی اور حب دنیا کے جیسا کہ امام غزالی نے سر العالمین میں صاف طور پر فرما دیا ہے اور نیز جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے۔ ؎

چوں صحابہ حب دنیا داشتند مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

لہٰذا وہ لوگ کہ جن کے بارہ میں ہوائے نفسانی اور حب دنیاوی کا وہم و خیال بھی نہیں ہو سکتا اور قدر و منزلت انکی ظاہر و باہر ہے مثل حضرت علیؑ و عباسؓ و ابوذر غفاری و سلمان فارسی و مقداد اسود و عمار یاسر کے اُس اتفاق اور اجماع میں شامل نہیں تھے ٭

اور نیز یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ یا رئیس دنیا سے گذر جائے اور اس کا عم مثل حضرت عباس اور پسر عم و داماد مثل حضرت علی موجود ہوں تو لوگ بغیر انکے اذن اور مشورہ کے اس کا خلیفہ اور نائب مقرر کر لیں۔ اگر ایسا کر بھی لیں گے تو خود غرضی اور ہوائے نفسانی پر مبنی ہوگا

(صفحہ ۱۳ کا بقیہ) ۱۲ و امت کے اختیار میں ہے ۔پس اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اجماع ہی خود وجوب نصب امام کی دلیل ہے ۔ تو اجماع سے پہلے اجماع کرنے پر صحابہ کے پاس کونسی دلیل تھی ۔ اہلسنت اپنی دلائل صرف چار ماخذوں سے لاتے ہیں ۔ جن میں سے پہلے دو یعنی قرآن حدیث تو انہی کے خیال کے موافق نصب امام پر دلالت نہیں کرتے پس صحابہ نے اس اجماع کی سند کہاں سے لی ۔ کیونکہ قیاس بھی اس وقت نہیں ہو سکتا تھا ۔ اگر کہیں اصحابہ نے اپنی رائے سے اجماع کیا تو یہ ہم بھی مانتے ہیں ۔ کہ انہوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے سے اجماع کیا ۔ پس اصحابہ کا اجماع نصب امام پر کوئی دلیل نہیں ٭

عـــہ لوگ اکٹھے ہو کر کسی کو نبی کا نائب نہیں بنا سکتے ۔ اگرچہ وہ اپنا سردار مقرر کر سکتے ہیں ۔ نبی کا نائب وہی ہوگا جسے خود نبی مقرر کرے کیونکہ خود منیب ہی کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے ۔ مثلاً لوگ اکٹھے ہو کر کسی کو خلیفۃ اللہ یعنی نبی نہیں بنا سکتے ۔ خدا ہی جسے چاہے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے ۔ دنیاوی کاموں میں بھی اسکی مثالیں موجود ہیں ۔ کہ رعایا اکٹھی ہو کر کسی کو بادشاہ کا نائب السلطنت نہیں قرار دے سکتی ۔ نائب السلطنت وہی ہوگا جو بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوا ہو پس اگر لوگ کسی کو اپنا سردار بنا لیں تو وہ سردار امام نہ ہوگا کیونکہ امام نائب نبی کو کہتے ہیں پس وہ خلیفہ جو اجماع سے مقرر ہو اپنے تابعین کا بادشاہ یا سردار تو ہوگا مگر خلیفۃ الرسول نہ ہوگا خلیفۃ الرسول وہی ہوگا جو نص خدا یا رسول سے مقرر ہو ٭ خاکسار خادم علی

وجہ دوئم - اس میں شک نہیں کہ اقامت حدود شرعیہ - وسد ثغور (یعنی ان مقامات کا روکنا جہاں سے دشمن کے ہجوم کرنے کا اندیشہ ہو) وتجہیز جیوش برائے جہاد (یعنی لشکر کا جہاد کے واسطے تیار کر کے بھیجنا) وغیر ذالک من الامور المتعلقہ بحفظ النظام وحمایت بیضہ اسلام امت پر بامر شارع واجب ہے[1] اور موقوف ہے وجود امام پر - اور نصب امام مقدمہ واجب کا ہے اور مقدمہ واجب کا واجب ہوا کرتا ہے - جیسا کہ علم اصول میں مبرہن اور مبیّن ہے - پس نصب امام واجب ہوگا امت پر بجہت وجوب امور مذکورہ برامت *

جواب ازوجہ دوئم یہ ہے کہ لانسلّم کہ امور مذکورہ مثل اقامہ حدود وغیرہ امت پر واجب ہیں - بلکہ امور مذکورہ امام پر واجب ہیں یا امت پر واجب ہیں بر تقدیر تحقق امام اور مقدمہ واجب کا اس حالت میں واجب ہوتا ہے جبکہ ذو المقدمہ واجب مطلق ہو مثل نماز کے کہ وہ واجب

حاشیہ (۱) - اگر ایک چیز خود واجب ہو تو وہ چیز جو اس کے پہلے کرنی ضروری ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے مثلاً نماز واجب ہے مگر نماز کے لئے وضو ضروری ہے پس وضو بھی واجب ہے۔ اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ عرفان کو سزائیں دینی یا جہاد کے لئے لشکر بھیجنے یا دین کی حفاظت کرنی وغیرہ یہ سب امور امت پر واجب ہیں - اور چونکہ جب تک امام نہ ہو - تب تک یہ امور نہیں ہو سکتے پس امت پر امام کا مقرر کرنا بھی واجب ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امور امت پر نہیں - بلکہ امام پر واجب ہیں - اور اس وجہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان امور کے ہو سکنے کے لئے شرط ہے کہ امام موجود ہو پس بغیر امام کے یہ واجب نہیں ہوتے - اور مقدمہ اس واجب کا واجب ہوتا ہے - جو مشروط نہ ہو - اور جو واجب مشروط ہو اس کا مقدمہ واجب نہیں ہوتا - مثلاً زکوٰۃ واجب تو ہے مگر اس وقت واجب ہوتی ہے - جبکہ مال کی تعداد مقررہ (جو زکوٰۃ کا مقدمہ ہے) کسی کے پاس ہو - پس زکوٰۃ ایک مشروط واجب ہے - اس کے مقدمہ یعنی مال مقررہ کا حاصل کرنا کسی پر واجب نہیں ایسا ہی وہ امور جو وجہ دوم میں مذکور ہیں مشروط واجب ہیں یعنی امام کے ہونے پر ہو سکتے اور واجب ہوتے ہیں - پس ان کا مقدمہ یعنی امام کا مقرر کرنا امت پر واجب نہیں ہے *

مطلق ہے۔ مقدمہ اس کا جو وضو یا غسل یا تیمم ہے وہ بھی واجب ہے اور ذو المقدمہ اگر واجب مطلق نہ ہو بلکہ واجب مقید ہو تو مقدمہ اس واجب کا واجب نہیں ہوگا۔ مانند تحصیل نصاب بجہت وجوب زکوٰۃ۔ اور شارح مقاصد نے جو اس مقام پر بیان کیا ہے کہ در ما نحن فیہ واجب مطلق ہے۔ مجرد دعوٰی ہے جو خالی ہے بیان اور دلیل سے اور ہم مقام منع پر ہیں ۞

وجہ سوئم یہ ہے (صغرٰے) کہ نصب امام میں انجلاب[1] منافع لاتحصٰی[2] اور استدفاع[3] مضار بیشمار ہے (کبرٰے) اور جو چیز کہ مشتمل بر استجلاب منافع اور استدفاع مضار ہو وہ واجب ہے نتیجہ یہ کہ نصب امام واجب ہے۔ صغرٰی اس دلیل کا ضروری اور بدیہی ہے۔ جیسا کہ فخرالدین رازی نے اربعین میں فرمایا ہے یا قریب بضروری اور بدیہی کے ہے۔ جیسا کہ شارح مقاصد نے بیان کیا ہے۔ اور کبرٰی کی صحت پر اجماع واقع ہوا ہے۔ صاحب تلخیص المحصل نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صغرٰی اس دلیل کا عقلی ہے من باب الحسن والقبح عقلی اور یہ تمہارا مذہب نہیں ہے۔ تم اہلسنت حسن و قبح کو عقلی نہیں مانتے ہو اور کبرٰے کا عقلی ہونا اس سے واضح تر ہے۔ تعرض اجماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ نصب امام عقلاً واجب ہے۔ نہ سمعاً۔ اور مذہب اہلسنت کا یہ ہے کہ نصب امام سمعاً واجب ہے۔ پس یہ دلیل انکے مدعا کو ثابت نہیں کرتی۔ اور شارح مقاصد نے جو جواب صاحب تلخیص المحصل کا دیا ہے۔ وہ جواب بھی مخدوش ہے۔ اس لئے اس کا نقل کرنا اور پھر اس

حاشیہ وجہ سوم:۔ ہر ایک دلیل کے تین جزو ہوتے ہیں صغرٰی کبرٰی اور نتیجہ مثال اس کی یہ ہے:۔

صغرٰے الف برابر ہے ب کے		صغرٰی انسان فانی ہیں
کبرٰے ب برابر ہے ج کے	یا	کبرٰے زید انسانی ہے
نتیجہ ج برابر ہے الف کے		نتیجہ زید فانی ہے

اور ہر ایک دلیل کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مقدمات یعنی صغرٰی اور کبرٰی ضروری اور یقینی ہوں۔ ورنہ نتیجہ ظنی رہیگا۔ عام فہمی کے لئے مختصر طور پر لکھا گیا کیونکہ علمی طور پر تعریفات میں اشکال اور طول ہو جاتا ہے ۞

[1] کھینچنا۔ حاصل کرنا [2] بے تعداد [3] دور کرنا [4] نقصان ۞

کے جواب الجواب کی طرف متعرض ہونا طول لاطائل اور تضییع اوقات ہے ؛

اور جو لوگ قائل ہیں کہ نصب امام خدا پر عقلاً واجب ہے نہ کہ سمعاً وہ تین گروہ ہیں اوّل اسماعیلیہ انکا اعتقاد یہ ہے کہ نبی یا امام کی تعلیم کے بغیر اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی پس واجب ہے خدا تعالیٰ پر کہ زمین کو نبی یا امام سے خالی نہ رکھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو معرفۃ اللہ کی تعلیم کریں (جواب) چونکہ معرفۃ اللہ میں عقل مستقل ہے نبی یا امام کی تعلیم کی احتیاج نہیں لہٰذا یہ مذہب مع انکی اس دلیل کے باطل ہے دوم غلاۃ[1]۔ انکا یہ اعتقاد ہے۔ کہ نصب امام خدا تعالیٰ پر واجب ہے۔ تاکہ امام لوگوں کو احوال اغذیہ[2] اور ادویہ اور سموم مھلکہ کی تعلیم کرے اور حرفت و صناعت سکھائے۔ یہ مذہب بھی باطل ہے اور دلیل بھی۔ سوم شیعہ امامیہ اثنا عشریہ اصحاب ما رضوان اللہ علیہم۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ نصب امام عقلاً خدا تعالیٰ پر واجب ہے۔ اور انکے دلائل اور مستندات اور متمسکات بہت ہیں۔ ہم انکے دلائل کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں :-

---

الجواب

وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط سے ثابت ہے کہ انسان

[1] جمع غالی ؛

[2] جمع غذا ؛

فصلِ اوّل

ان دلائل کے بیان میں جو علماء امامیہ نے وجوب نصب امام میں اپنی کتب و تصانیف میں بیان فرمائی ہیں:-

فاضل لاہجی نے وجوب نصب امام میں دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں -

دلیل اول یہ ہے کہ شریعت مقدسہ نبویہ جیسا کہ ابتدا میں تبلیغ کے واسطے ایک معصوم و مامون تبلیغ کرنے والے کی محتاج ہے - ویسا ہی اپنی بقاء کے لئے بھی قیامت تک ایک

حاشیہ، بر دلیل اوّل:- اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ غائب ہونے کی حالت میں امام کس طرح دین یعنی اعتقادات حقہ کی بقا کا باعث ہوتا ہے - تو اس کا یہ جواب ہے کہ بقا کے لئے صرف امام کا ہونا شرط ہے ظہور یا غیاب کو کوئی دخل نہیں اور فصل ثانی میں جناب مصنف دام ظلہ نے عمدہ طور پر ثابت کر دیا ہے کہ مسعد خیرات جناب امام علیہ الصلوۃ کا وجود بقائے دنیا و ما فیہا کا باعث ہے - اور دین بھی تب ہی رہے گا - جب دنیا ہوگی - پس وجود امام بقائے دین کا سبب ہے - خاکسار عرض کرتا ہے - کہ امام کے ہونے کا لازمہ ہے - کہ دین حق باقی رہے - کیونکہ کوئی مدعی کاذب دعوے امامت کر کے اعتقادات مومنین میں تصرف و تحریف نہیں کر سکتا - جب کہ امام کے موجود ہونے سے وہ اُسی کو اپنا سچا امام مانتے ہیں - پس وہ اعتقادات ہمیشہ تصرف کذاب سے محفوظ اور باقی رہتے ہیں - اور نیز بقائے شریعت اسی صورت میں ہے - کہ وہ خاص طور پر باقی رہے - پس اگر کوئی شخص ایسا موجود ہو جو شرع کے سب احکام اصح اور اکمل طور پر جانتا ہو تو دین باقی ہے ورنہ نہیں اور ایسا شخص سوائے امام کے اور کوئی نہیں - اگر دیگر مدعیان میں بھی یہ اوصاف ہوتے تو انہیں مسائل دین میں اختلاف کیوں ہوتا - پس نبی یا امام کے وجود سے ہی اس عالم میں شریعت کا بقا ہے - جس میں امام کے ظاہر یا غائب ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا - تبلیغ احکام ایک امر جداگانہ ہے - جس کے عدم سے عدم شرع لازم نہیں آتا اور نہ غیبت امام سے مطلق تبلیغ مفقود ہو جاتی ہے - واللہ اعلم بالصواب خاکسار خادم علی

معصوم حافظ کی محتاج ہے جو تغیر و تحریف سے مامون ہو۔ کہ قیامت تک اس کی حفاظت کرے تاکہ وہ قیامت تک باقی رہے۔ اور نیز فاضل لاہجی نے فرمایا ہے کہ حاجت شریعت در بقا بحافظے بغایت شبیہ است بحاجت ممکن حادث در بقا بعلت مبقیہ یعنی جو حاجت شریعت کو اپنے بقا کے لئے ایک حافظ کے ہونے کی ہے۔ وہ اس حاجت سے نہایت مشابہ ہے۔ جو ایک حادث ممکن کو اپنے بقا کے لئے علت مبقیہ کی ہے انتہی۔ محرر اوراق گذارش کرتا ہے کہ قسم بخدائے لایزال مجھ کو فاضل لاہجی کی یہ عبارت دیکھ کر ایسا سرور اور حظ اور وجد لاحق ہوا جو الفاظ اور عبارت میں آنہیں سکتا۔ گو دلیل مذکور میرے بھی ذہن میں موجود تھی۔ مگر اس کے طرز بیان نے اور خصوصاً تشبیہ مذکور نے عجب لذت بخشی اور فائدہ جدیدہ حاصل ہوا۔ کیونکہ اہل تحقیق مثلاً جناب محقق نصیر الدین طوسی نے کتاب تجرید میں اور شارحین تجرید مثلاً فاضل لاہجی نے شوارق الالہام میں اور علامہ قوشجی نے شرح تجرید میں اور شیخ الرئیس بوعلی سینا نے کتاب شفا میں اور دیگر حکماء و متکلمین محققین نے بکمال بسط بیان فرما دیا ہوا ہے۔ کہ ممکن حادث جیسا کہ حدوث میں محتاج بعلت ہے ویسا ہی بقا میں بھی محتاج بعلت مبقیہ ہے جیسا کہ اہل تحقیق کا مذہب ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ ممکنات خواہ وہ جواہر ہوں یا اعراض جیسے حدوث میں محتاج بہ علت ہیں۔ ویسے ہی اپنی بقا میں بھی محتاج بعلت مبقیہ ہیں۔ اور شریعت مقدسہ نبویہ حادث ہے۔ پس جیسے کہ وہ ابتدائے حدوث میں ایک معصوم کی محتاج تھی۔ ویسے ہی بقا کے لئے بھی قیامت تک ایک معصوم کی محتاج ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ ہر زمانہ میں امام معصوم موجود ہو تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور وہ باقی رہے۔ کیونکہ بقاء حادث موقوف ہے وجود علت مبقیہ پر جیسا کہ اہل تحقیق نے بیان فرمایا ہے۔ پس جبکہ امام موجود نہ ہوگا شریعت بھی باقی نہ رہے گی۔ بموجب اس قاعدہ کے جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ٭

دلیل دوم۔ یہ ہے کہ مکلفین[1] ایک رئیس۔ مطاع۔ عالم۔ عادل۔ مامون از جور و میل

[1] وہ لوگ جن پر شرعی امر و نہی وارد ہو ٭ [2] حادث مرتا

کے محتاج ہیں پس امام کا ہونا مکلفین کے لئے لطف ہوگا۔ کیونکہ مکلف امام کے ہونے سے فعل تکلیف کے قریب ہوتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں امام کا موجود ہونا ممکن ہے۔ اور امام معصوم سے وہی عالم عادل مراد ہے کہ جس کی عدالت ظلم اور جور سے مامون ہو۔ اور لوگ اس کے محتاج ہیں۔ مگر ایسے شریف اور معصوم شخص کی تعیین بغیر نبی معصوم کی نص کرنے کے ممکن نہیں ہے اور علم اور اصل عدالت کا تحقق بھی ضروری الامکان بلکہ ضروری الوقوع ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وجود امام معصوم کا مستلزم مفاسد کا نہیں ہوتا پس اگر امام کے ہونے میں کوئی مفسدہ متوہم

حاشیہ۔ دلیل دوم۔ یہ دلیل ذرا پیچیدہ پیرایہ میں بیان کی گئی ہے جس کا آسان سا بیان اپنی سمجھ کے مطابق اس جگہ لکھتا ہوں دلیل یہ ہے کہ ایسے امام کا نصب کرنا جو معصوم اور عالم ہو لطف ہے اور لطف خدا پر واجب ہے۔ پس امام عالم معصوم کا نصب کرنا خدا پر واجب ہے لطف ایسے امر کو کہتے ہیں جو مکلف کو اطاعت کے قریب کرے اور اسے خدا کی نزدیکی حاصل ہو۔ اطاعت اور خدا کی رضا اور نزدیکی حاصل کرنے کا صحیح طریقہ وہی شخص بتا سکتا ہے اور اسی کے قول و فعل پابندی کے قابل ہوتے ہیں جو خود معصوم ہو اور شرع کے احکام سے کماحقہ واقف ہو پس امام معصوم عالم کا ہونا لطف ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کوئی انسان معصوم نہیں ہو سکتا تو وہ دور از عقل ہے کیونکہ کوئی دلیل اس کے ناممکن ہونے پر نہیں ہے اور صرف یہی نہیں کہ فقط عقلی طور پر ایسے شخص کا ہونا ممکن ہو بلکہ واقع میں بھی بہت سے شخص ایسے ہوئے ہیں مثلاً انبیا اور ان کے جانشین۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام کے ہونے میں کئی فساد اور جھگڑے برپا ہوتے ہیں۔ پس امام کا ہونا چونکہ فسادات کا باعث ہے۔ اس لئے کبھی لطف نہیں ہو سکتا اس کا جواب فاضل لاہجی نے یہ فرمایا ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ امام کے ہونے میں فساد ہوتے ہیں۔ تو بھی چونکہ عقلا کے نزدیک ایسی چیز جس میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہوں تھوڑی سی خرابی ہونے کے سبب ترک کر دینی شر کثیر ہے اور خدا سے کبھی برائی نہیں ہوتی اس لئے ضرور ہے کہ وہ امام کو نصب کرے۔ مگر اس اعتراض کا نہایت عمدہ جواب جناب قبلہ و کعبہ مصنف دام ظلہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ امام کے ہونے میں کچھ فساد ہونے کا گمان ہوتا ہے تو بھی امام کے ہونے میں بمقابلہ اس فساد کے خوبیاں بہت زیادہ ہیں۔ اور عقلا کے نزدیک جس امر میں خوبیاں بہت زیادہ ہوں اگر اس میں تھوڑی سی خرابی بھی ہو تو وہ خرابی بھی خوبی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ موہوم فساد بھی خوبی ہوگا۔ پس نصب امام ہر طور پر لطف ہے۔ خاکسار علی ؎

ہو۔ تو وہ ان مصالح کے اعتبار سے جو اس کے وجود پر مترتب ہیں بغایت نادر ہونے کے سبب
قابل التفات نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایک قاعدہ مسلمہ حکماء کا ہے کہ ترک خیر کثیر بجہتہ شر قلیل
شر کثیر ہے۔ پس اگر اس مفسدہ نادرہ کی وجہ سے جو وجود امام پر مترتب ہوتا ہو امام کو جو ایک
خیر کثیر ہے نصب نہ کیا جائے اور وہ موجود نہ ہو تو بموجب اس قاعدہ کے بڑا نقصان لازم آتا
ہے۔ جس کو ہم اس قاعدہ مذکورہ کے رو سے شر کثیر سے تعبیر کرینگے **محرر اوراق** عرض
کرتا ہے کہ ایک دوسرا قاعدہ بھی حکماء کا مسلمہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ شر قلیل باوجود خیر کثیر
خیر محض ہے مثال اس کی یہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ خال سیاہ گو ایک بری چیز ہے۔ مگر
حسین اور خوبصورت کے چہرہ پر زیادتی حسن و بہا[1] کا موجب ہوا کرتا ہے۔ بموجب اس قاعدہ
مسلمہ کے اگر امام کے ہونے پر جو خیر کثیر ہے کوئی مفسدہ مترتب ہو تو وہ بھی خیر ہی متصور ہوگا
بلکہ خیر محض ہوگا۔ اور اس خیر کثیر کے حسن و جلا کا باعث ہوگا۔ پس وجود امام سے جو کہ لطف
ہے کوئی مانع متصور نہ ہوگا۔ پس نصب امام خدائیتعالیٰ پر واجب ہوگا۔ ورنہ حجت خدا بر خلق
تمام نہ ہوگی۔ اور یہی مراد ہے اس کلام سے جو مستفیض ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے
کہ آپ نے فرمایا لا یخلو الارض عن قائم بحجتہ اللہ اما ظاہراً مشہوراً او خائفاً
مستوراً لئلا یبطل حجج اللہ تعالیٰ و بیناتہ یعنی خالی نہیں رہتی زمین حجت خدا سے
خواہ ظاہر مشہور ہو یا خائف مستور۔ تاکہ حجج و بینات الٰہی باطل نہ ہوجائیں۔ اس سے صاف
ثابت ہوا کہ امام سے زمین کبھی خالی نہیں رہ سکتی۔ امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا اتمام حجت
کے واسطے لازمی ہے۔ اور جب وجود امام اتمام حجت کے واسطے واجب ہوا۔ تو اس کا غائب
ہونا اور امور میں تصرف نہ کرنا اس کی تقصیر اور کوتاہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اس کو معصوم تسلیم
کر چکے ہیں۔ بلکہ لامحالہ از خوف اعادی و بوجہ عدم انقیاد ناس کے ہوگا۔ اور یہ منافی غرض
نصب امام اور مانع وجوب نصب امام نہیں ہو سکتا۔ **محرر اوراق** عرض کرتا ہے کہ فاضل لاہجی
نے اس دلیل کے بیان کے بعد فرمایا ہے کہ ہرگاہ اس دلیل میں بایں تقریر جو ہم نے بیان

[1] خوبیاں۔

کی ہے اچھی طرح سے تامل کروگے تو بتوفیق الہی وفضل او تعالی مخالفین کے تمام شبہات
کے جو اس مقام پر وارد ہیں ۔ دفع پر قادر ہوجاؤ گے ۔

اور صاحب حدیقہ سلطانیہ اعلی اللہ مقامہ نے وجوب نصب امام میں **بارہ دلیلیں**
تحریر فرمائی ہیں :-

دلیل اول ۔ قریب المأخذ بلکہ عین وہی دلیل ہے جو کہ فاضل لاہجی سے اوپر منقول
ہوئی وہ یہ ہے کہ معلوم ہے کہ لوگ انتظام امور دنیا اور دین پانے میں ایک رئیس اور سرکردہ
کے محتاج ہیں ۔ کہ امور مختلفہ میں انکو راہ راست کی ہدایت کرے اور مخاصمہ و منازعہ و مجادلہ و
مغالبہ کو جو کہ بسبب اجتماع و تمدن کے انکے معاملات و معاشرات میں واقع ہو رفع کرے
بروجہ حق و صواب ۔ اور ایسا شخص نبی ہے یا امام کہ جانشین نبی کا ہے خصوصاً بعد حضرت
رسالت کہ خاتم پیغمبران ہے اور بعد ازاں دوسرے پیغمبر کی امید بعثت نہیں ۔ اور مقدمات
اس دلیل کے بعض اجلائے بدیہات سے ہیں اور بعض مسلمات سے (صاحب حدیقہ اس تقریر
کی تائید میں عبارت علامہ تفتازانی کو بیان کرکے فرماتے ہیں کہ) چونکہ انسان مدنی الطبع ہے
اور تفویض اختیار رئیس امام بسوئے کافہ انام باوصف اختلاف رائے کے اور اختلاف مشتہیات
کے مقتضی فساد اور اختلال حال عباد ہے ۔ اس لئے کہ ہر ایک شخص اپنے نفس کے لئے
نفع جزوی کا طالب ہے اور امامت درجہ قصوی اور منزلت عظمی ہے کہ جس پر مقاتلہ واقع
ہوتا ہے جیسا کہ شہرستانی کی عبارت سے واضح ہوا ہے پس واجب ہوا نصب امام خدائے
علام کی جانب سے اس لئے کہ ضروری ہے کہ کوئی حافظ شرع ہو اور منکرات اور منہیات سے
ممانعت کرے اور لوگوں کو امر خیر کی طرف دعوت کرے اور ظالم کو اس کے ظلم اور جابر کو
اس کے جبر سے باز رکھے اور روکے ۔ اور متحیر بادیۂ ضلالت کو حیرت سے نکال کر شاہ
راہ ہدایت پر پہنچادے اور مشککین[1] کے شکوک کو رفع کرے اور شبہات کی تاریکیوں کو بانوار
ہدایت خود زائل کرے ۔ اور قولی اور فعلی خطا سے مبرا ہو ۔ پس ضرور ہے کہ ایسا شخص ممتاز

[1] شک کرنے والے

ہو خدا اور رسول کی نص کے ساتھ یا اُن آیات کے ساتھ جو دلالت کرتی ہوں اس بات پر کہ یہ شخص خدا یا صاحب شریعت کی جانب سے منصوب ہے۔ کہ لوگ اسے نہیں پہچانتے مگر بہدایت صاحب شریعت۔ فما لھؤلاء القوم لا یفقھون حدیثاً یعنی کیا ہوگیا اس قوم کو کہ نہیں سمجھتے ہیں بات کو۔ کبھی کہتے ہیں کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اور اس کی شان اس سے رفیع تر ہے۔ کہ اس کے ذمہ کوئی چیز واجب ہو اور حالانکہ نظر بحکمت و رافت بر حال خلق جو کچھ خدا کے ذمہ واجب لازم ہے۔ وہ کسی طرح سے اس کی رفعت شان کے منافی نہیں ہے اور وہی لوگ کبھی امور کثیرہ خدا پر واجب کر دیتے ہیں مثل تعلیم بیان اور مقرر کرنا قوانین کا اور معین کرنا شارع کا اور ارشاد رسل و نصب انبیا اور اظہار معجزات بر دست شارع اور خدا پر نصب امام کے واجب ہونے کے منکر ہوتے ہیں۔ حالانکہ وجوب نصب امام اور وجوب نصب انبیا میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ نصب کرنا نبی کا خدا پر واجب لازم ہے اور دلیل مشترک ہے پس نصب امام کو خدا پر یہ واجب قرار دینا۔ اور نصب امام کو سائر خلق کو جو کہ جاہل اور گمراہ ہے تفویض کرنا عجیب بات ہے اور بالکل بے دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں اختلاف مذاہب ہوگیا۔ اگر معرفت امام ہوتی تو کبھی لوگ مختلف نہ ہوتے ؂

دلیل دوم یہ ہے کہ اصلح خدا تعالیٰ پر واجب ہے اور بلا شبہ اصلح بحال بندگان تمام احوال و ازمان میں یہ ہے کہ ایک رئیس اور حاکم منصوب من اللہ موجود ہو جسکے ہاتھ میں انکے دین اور دنیا کا اختیار ہو۔ اور ایسا شخص رئیس یا پیغمبر ہے یا امام۔ جس زمانہ میں پیغمبر نہ ہو یہ امر امام میں منحصر ہوتا ہے۔ بالجملہ نصب امام مثل پیغمبران اصلاح حال بندگان کے واسطے حضرت رب العزت

حاشیہ۔ دلیل دوم۔ اصلح سب سے عمدہ کام کو کہتے ہیں۔ خدا کے کام ایسے اچھے ہوتے ہیں۔ کہ اس سے اچھے ہو نہیں سکتے اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا کسی اچھے کام کو چھوڑ کر اس سے کم درجہ کے اچھے کام کو کرے۔ بلکہ واجب ہے کہ خدا کا جو کام ہو اصلح ہو اور وہ کبھی اصلح کو ترک نہ کرے چونکہ نصب امام اصلح ہے اسلئے خدا پر واجب ہے کہ وہ نصب امام کرے اور ہرگز اسے ترک نہ کرے۔ غلام علی

وجوب نصب امام

پر لازم ہے نہ تفویض برائے ناقص امت و اختیار فاسد شان ۔

دلیل سوم یہ ہے کہ بعثت رسول واجب ہے جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ در ذیل آیہ یا اهل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترة من الرسل (یعنی اے اہل کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول کہ بیان کرے تمہارے لئے اوپر فترۃ کے۔ یعنی زمان خالی کے رسولوں سے) فرمایا کہ مسئلہ چہارم یہ ہے کہ فائدہ مبعوث فرمانے حضرت کا زمان فترہ یعنی وقت خالی از بعثت میں یہ ہے کہ شرائع میں بباعث طول مدت کے تحریف تغییر واقع ہو جاتا ہے۔ اور بایں وجہ حق و باطل اور صدق و کذب میں تمیز نہیں رہتی۔ اور دونوں باہم مخلوط ہو جاتے ہیں۔ اور خلقت کو اس وجہ سے ظاہراً عبادات سے اعراض کرنے کے لئے عذر ہاتھ آجاتا ہے۔ اس لئے کہ جائز ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یا الٰہی ہم جانتے ہیں کہ تو عبادت کے لائق ہے لیکن طریق عبادت کو ہم نہیں جانتے۔ پس بایں جہت حضرت رسولؐ کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا۔ اور انکے عذروں کو زائل فرما دیا۔ بعد ازاں امام رازی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حصول فترت موجب احتیاج خلق ہے بسوئے بعثت رسل ہرگاہ حق قادر ہے ہر چیز پر پس قادر ہوگا بعثت رسل پر۔ پس واجب ہوا خدا پر کہ رسولوں کو خلق کی طرف بھیجے۔ انتہیٰ کلام امام رازی۔ پس ہمیں تقریر نصب امام بھی خدا پر واجب ہوگا۔ نظر باشتراک علت۔ کیونکہ جب تقادم عہد طول زمان بسبب اختلاط حق بباطل و صدق بہ کذب موجب اس امر کا ہے کہ لوگ عبادات سے اعتراض کرنے کے لئے پورا اور کامل عذر کر سکتے ہیں پس جبکہ نبی کی بعثت ممکن نہ ہو جیسا کہ اس زمانہ میں تو نصب امام ضرور واجب و لازم ہوگا۔ ورنہ خلقت وہی عذر پیش کریگی۔ جو کہ امام رازی نے بیان فرمایا ہے اور تائید کرتی ہے اس مطلب کی وہ حدیث اور کتاب خدا کے موافق ہے جو شیخ محمدؐ بن یعقوب کلینی نے باسناد خود حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت فرمائی ہے ان الحجة لا تقوم علی خلقه الا بامام۔ یعنی حجت خدا خلقت پر قائم نہیں ہوتی مگر ساتھ امام کے۔ اب انکار کرنا حضرات اہلسنت کا بطرز سالبہ

کلیہ کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ بقول امام فخر الدین رازی کے باطل ہوا اور ظاہر ہوا کہ عند الحاجت قطع حجت کے واسطے احد الامرین خدا پر واجب ہے۔ یا نصب نبی اور یا نصب امام۔ اور حدیث متفق علیہ فریقین من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ اور دیگر دلائل سے ہر زمانہ میں عموم وجوب نصب امام واضح ہوتا ہے۔

دلیل چہارم۔ قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین یعنی اے اہل ایمان ڈرو خدا سے اور تابعداری کرو صادقوں کی۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ یہ آیہ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صادقین دائم موجود ہوں یعنی کوئی زمانہ اس سے خالی نہ رہے۔ بچند وجود۔ وجہ اول یہ کہ تکلیف باقی ہے دائماً بالاتفاق۔ پس یہ تکلیف یعنی پیروی کرنی صادقین کی بھی دائمی ہونی چاہیئے۔ وجہ دوئم یہ کہ صیغۂ امر شامل جمیع اوقات ہے بدلیل[1] صحت استثنا وجہ سوئم یہ کہ خدا نے تابعداری صادقین کے لئے کوئی وقت تعیین نہیں فرمایا پس حمل اس کا بعض اوقات پر سوائے بعض دیگر کے ترجیح بلا مرجح ہے وجہ چہارم یہ ہے کہ آیہ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تقوی[2] از جملہ ماموریہ ہے۔ شرعاً پس امر بتقوی مستحسن نہیں ہوتا۔ مگر نسبت اس شخص کے کہ خلاف تقوی اس سے عمل میں آسکے۔ پس حاصل آیہ شریفہ کا یہ ہوگا کہ جائز الخطا کو لازم ہے کہ اقتدا اور تابعداری کرے اس شخص کی کہ جس سے صدور خطا ممتنع ہو یعنی معصوم کی۔ اور تابعداری معصوم کی اس جائز الخطا کو خطا سے روکتی ہے اور یہ معنی بھی ہر زمانہ میں موجود ہے۔ پس صادقین بھی ہر زمانہ میں موجود ہونگے۔ اور حاجت معصوم کی ہر زمانہ میں محسوس ہو

---

[1] اگر کوئی وقت مستثنے ہوتا تو چونکہ استثنا واقع ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر ہوتا۔ جو نہیں ہوا فقط خادم علی۔

[2] یعنی مستحسن یہ ہے کہ خدا سے ڈرنے کا حکم ایسے ہی شخص کو ہو جسکی نسبت یہ ہو سکتا ہو کہ وہ کبھی نہ بھی ڈرے اور ایسے شخص کو جائز الخطا کہتے ہیں۔ مگر جسے خدا خود صادق کہے وہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اس سے خلاف صداقت ظہور میں آہی نہ سکے۔ یعنی معصوم ہو۔ فقط خاکسار خادم علی۔

رہی ہے پس نصب امام ہر زمانہ میں واجب ہے۔ امام رازی نے یہاں تک تو مربوط بیان فرمایا ہے لیکن آخر میں نامربوط فرما گئے ہیں۔ کہ صادقین سے اجماع مراد لیا ہے۔ اور سخافت اس قول کی ظاہر ہے محرر اوراق عرض کرتا ہے۔ کہ حضرات اہلسنت کو امام کی عصمت کے بیان کرنے میں سخت استیحاش اور اضطراب ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے آئمہ اور خلفائ کے حالات اور سوانح کو دیکھتے ہیں۔ تو انپر مشکلیں پڑجاتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے امامت میں عصمت کو شرط قرار نہیں دیا تاکہ وہ اپنے آئمہ کی حفاظت کریں۔ بلکہ انکی خاطر انہیں ایسی عزیز ہے کہ محض انکی خاطر سے انبیاء کی عصمت سے بھی انکار کردیا اور اعتقاد قرار دے لیا۔ کہ نبی کا بھی معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیساکہ انہوں نے اپنی کتب عقائد مثل مواقف و شرح مواقف اور شرح مقاصد اور شرح عقائد نسفی وغیرہ میں تصریح فرمادی ہے کہ نبی کا معصوم ہونا لازمی نہیں ہے اور آیات متشابہات کو شاہد قرار دے لیا ہے۔

دلیل پنجم۔ قولہ تعالیٰ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنی اے اہل ایمان اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو تم رسول اور اولی الامر کی۔ حکم اس خطاب کا عام ہے اور قیامت تک شامل جمیع مکلفین ہے۔ پس چاہیئے کہ اولی الامر ہر زمانہ میں موجود ہو[ل] اور معلوم ہے کہ اولی الامر اگر عاصی اور فاسق ہوں اور اطاعت اور مخالفت دونوں واجب

[ل] لیکن باینہمہ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم کی اطاعت اختیار کرنے پر انکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ عصمت کو شرط امامت نہیں مانتے۔ مگر عصمت اہلبیت کے منکر نہیں ہیں اور سوائے ان کے اور کسی کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہے۔ فقط خاکسار خادم علی

حاشیہ بر دلیل پنجم۔ امامت کے مسائل میں یہ آیت ایک قول فیصل ہے۔ اس کے چند معانی کا جو میری سمجھ میں آئے ہیں مختصر بیان درج ذیل ہے۔ اس آیت میں دوبارہ اطیعوا کا لفظ آیا ہے۔ ایک اللہ کے واسطے اور دوسرا رسول اور اولی الامر کے واسطے۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت اور قسم کی ہے اور رسول و اولی الامر کی اطاعت اور قسم کی ہے۔ اور قرآن جیسی فصیح کتاب میں اس لفظ کا دوبارہ ہی آنا مناسب تھا۔ اولی الامر کے واسطے رسول سے علیحدہ لفظ اطیعو نہیں آیا۔ بلکہ رسول ص

دیکھو اگلا صفحہ

ہوں یہ محال ہے ہرگز نہیں ہوسکتا اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ حکیم مطلق اپنے بندوں پر اطاعت

(پچھلے صفحہ کا بقیہ ۱۴) اور اولی الامر دونوں کی اطاعت کا ایک ہی مشترک حکم ہے۔ کیونکہ دونوں کی طاعت ایک ہی طرح کی ہے
اولی الامر کی تفسیر میں وہ لوگ جو قرآن کے حقیقی معنوں سے ناواقف ہیں مختلف رائیں ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں۔ کہ
اولی الامر سے مراد بادشاہ ہیں۔ مگر جب اعتراض کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کافر بھی ہوتے ہیں اور مسلم بھی۔ پس کافر کی اطاعت
کا حکم رسول کی اطاعت کے حکم کے ساتھ مساوی کس طرح ہوسکتا ہے اور اولی الامر کا لفظ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ اولی الامر
یعنی صاحبان حکم ایسے نہیں ہوسکتے کہ جس کے حکم کو کسی حالت میں نہ بھی مانا جائے تو پھر کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مسلمان
بادشاہ مراد ہیں۔ مگر اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی اکثر بادشاہ ظالم، سفاک و فاسق و فاجر ہوتے ہیں
جیسے کہ یزید و امثالہ تو پھر کہتے ہیں کہ ان مسلمان بادشاہوں سے مراد ہے جو صالح ہوں اور قرآن و حدیث کے مطابق
حکم دیتے ہوں۔ مگر اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اول تو یہ سب تخصیصیں آیت میں نہیں ہیں اور دوسرے جب تک
وہ بادشاہ معصوم نہ ہوں تب تک پھر بھی ویسا ہی اعتراض قائم رہیگا۔ کیونکہ اگر معصوم نہ ہوں تو کس طرح سے اطمینان
ہوگا۔ کہ انکے احکام میں غلطی نہیں ہوسکتی اور سب کے لئے ضرور ہے کہ صحیح ہوں۔ کیونکہ معصوم تو اسی کو کہتے کہ جس سے
کوئی خطا صادر نہ ہوسکے یعنی جس سے خطا صادر ہونی ممکن ہی نہ ہو۔ گویا کہ معصوم میں خطا کی قابلیت ہی نہیں ہوتی۔
اور جو شخص معصوم نہ ہو وہ خواہ کوئی خطا نہ بھی کرے مگر پھر بھی چونکہ اس سے خطا ہوسکنی ممکن ہے۔ اس لئے اس کے احکام
کے خطا پر ہونے کا احتمال ہمیشہ رہتا ہے گویا اس کی پیروی کرنا خطا کے خطرہ سے کبھی خالی نہیں ہوتا اور اسکا کسی حکم
میں خطا پر نہ ہونا ظنی امر ہے۔ حالانکہ قرآن صریح طور پر حکم دیتا ہے کہ ظن کی پیروی نہ کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ان یتبعون
الا الظن وانھم الا یخرصون۔ اور نیز فرماتا ہے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ پس چونکہ انسان کو
اپنی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دینی چاہیے۔ کہ جس کی نسبت بد ہو کہ وہ کبھی راہ راست سے نہیں بھٹک سکتا۔ نہ کہ
اس کے ہاتھ میں کہ جس کا اپنا ہی راستہ پر رہنا ظنی نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید اس امر پر صریح ناطق ہے۔ کہ افمن یھدی
الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون خلاصہ اینکہ آیا وہ جو
حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس کا سزاوار تر ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں۔ یا وہ جو خود ہدایت نہیں پا سکتا سوائے
اس کے کہ کوئی اور اسے ہدایت کرے۔ اور چونکہ ظن کی پیروی کرنے کو خدا خود منع کرتا ہے پس اولی الامر جنکی اطاعت*

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھو

مثل یزید پلید و معاویہ و دیگر خلفائے جور کی واجب کرے اور کوئی شخص اہل دیانت و انصاف

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) کا حکم ہے کبھی وہ شخص نہیں ہو سکتے جو معصوم نہ ہوں - اور ایک اور بڑی بھاری دلیل یہ ہے۔ کہ ہمارا نبی چونکہ معصوم ہے اس لئے کسی غیر معصوم کے ساتھ اسکی اطاعت مساوی نہیں ہو سکتی اور نہ خدا ایسا قبیح حکم دیتا ہے کہ اپنے ایسے جلیل القدر نبی کی اطاعت کو کہ جس اطاعت پر دنیا اور دین کی ہر ایک بھلائی کا دار و مدار ہے کسی غیر معصوم کی اطاعت کے ساتھ مساوی رکھے اور نیز کسی غیر معصوم کو اولی الامر قرار دینے میں اس کے ہر ایک امر میں ہر ایک شخص پر اجتہاد کی تکلیف بالایطاق کا بار ہوگا اور اعتماد بر قول غیر برطرف ہوکر خلل عظیم واقع ہوگا - بلکہ ایسے اولی الامر کے مامورین خود اپنے اجتہاد کے تابع ہونگے نہ کہ اس اولی الامر کے احکام کے - یا یوں کہو کہ ہر ایک شخص آپ اپنا اولی الامر ہوگا - یا بغاوت و فساد کا بازار گرم رہیگا - اور جاننا چاہئے کہ عصمت ایسا امر نہیں ہے کہ جسے کوئی آدمی اپنے تجربہ یا مشاہدہ سے معلوم کر سکے - بلکہ ایک امر باطنی ہے - پس عصمت یا تو خدا یا رسول یا ایسے شخص کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے جو خود معصوم ہو - اور خدا اور رسول نے سوائے اہلبیت یعنی ستر کبری جناب فاطمۃ الزہرا اور علیؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کے سوا اور کسی کی عصمت پر گواہی نہیں دی - پس علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اولی الامر ہیں اور انکے سوا وہ اولی الامر ہونگا جکی عصمت پر یہ معصوم گواہی دیں - چنانچہ انہوں نے باقی نو اماموں کی عصمت پر گواہی دی ہے - پس اولی الامر یہی بارہ امام ہیں اور کوئی آدمی اولی الامر نہیں ہے - پس یہ بھی ثابت ہوگیا - کہ اولی الامر یا امام منصوص ہوتے ہیں - امت کسی کو معصوم نہیں بنا سکتی کہ وہ امام ہو سکے - نیز یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا اولی الامر کی اطاعت تو فرض کر دے مگر یہ نہ بتائے کہ اولی الامر کون ہے - بلکہ ضروری ہے کہ اس نے بتایا ہو کہ اولی الامر کون ہے - اور یہ شہادت سوائے اہلبیت کے اور کسی کے حق میں نہیں ہے - پس امام ضرور خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور نیز چونکہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے اس لئے ضروری ہے کہ اولی الامر ہر زمانہ میں موجود ہوں - کیونکہ اگر حکم دیکر موجود نہ رہنا ہی کافی ہو سکتا - تو پھر صرف رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہوتا اور وہی کافی تھی اولی الامر کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہ تھی - اولی الامر کی اطاعت اسی واسطے فرض کی گئی ہے کہ رسولؐ کے بعد وہ ہر زمانہ میں موجود رہینگے - نیز امر کا لفظ قرآن میں ایک اور معنی میں بھی آیا ہے وہ یہ ہے کہ جب روح کی نسبت آنحضرت سے سوال کیا گیا کہ خدا تعالی نے نبی کو فرمایا کہ جواب دے کہ روح رب کے امر میں سے ہے اس جگہ امر کے معنی عالم مجردات محضہ یا عالم نور یا عالم قدس کے

بقیہ دیکھو اگلا صفحہ

ایسے امر شنیع کی اسناد جناب باری کی طرف نہیں کرسکتا۔ کہ خدا ظالم اور گنہگار کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

دلیل ششم حدیث متفق علیہ بین الفریقین من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ یعنی جو شخص مرگیا۔ درآں حالیکہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ کافر گیا۔ یہ حدیث صریح دلالت کرتی ہے۔ کہ لازم ہے کہ ہر زمانہ میں امام موصوف بصفاتہ کہ جس کی عدم معرفت مستلزم کفر ہے موجود ہو اور بعض حضرات نے جو اس کو تفسیر القرآن کیا ہے وہ بے معنی ہے۔ کیونکہ زمانہ میں اضافت زماں بسوئے ضمیر (ہائے) ہونے سے　　یہ ہے کہ ایک زمانہ کا امام دوسرے زمانہ کے سوا ہوتا ہے۔ اور نیز اکثر عوام الناس سواد قرآن نہیں رکھتے اور اکثر صحابہ آں حضرت کو بھی قرآن یاد نہیں تھا پس چاہیئے کہ وہ سب کے سب کافر ہوں مگر یہ نہیں ہوسکتا اور نیز آجتک اہل اسلام سے کسی نے قرآن کے یاد کرنے کو واجب نہیں مانا اور اگر مراد از معرفت فہم معانی قرآں ہو تو بھی اکثر صحابہ آنحضرت کے ایمان اور اسلام میں کلام ہے

(پچھلے صفحے کا بقیہ) ہیں پس بنابریں اولی الامر کے معنی ہوئے (کہ انکی تابعداری کرو جو ہیں) صاحبان عالم نور یا صاحبان تجرد محض یا صاحبان عالم قدس یا صاحبان عالم عقول اور وہ سوائے اہلبیت کے اور کوئی نہیں ہیں۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اور آیات قرآنی سے ثابت ہے۔ باقی رہا لفظ منکم اس کے معنی ہیں جو تم میں سے ہوں یعنی ایسے اولی الامر کی تابعداری کرو جو تم میں سے ہوں یہ لفظ بھی قرآنی فصاحت کی روشن دلیل ہے یہ لفظ ان لوگوں کا جواب ہے جو یہ تو مان جاتے ہیں کہ اولی الامر کو ضرور معصوم ہونا چاہئے مگر یہ کہنا نہیں چاہتے کہ اولی الامر سے مراد بارہ امام ہیں وہ لوگ حیلہ جوئی کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث ہیں یا وحی الہی۔ یہ لفظ ان دونوں توجیہات کی تردید کرتا ہے پس اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ امام کا معصوم ہونا لازمی ہے اور وہ خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے اور اس کی تابعداری مثل رسول کی تابعداری کے ہے۔

الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون فقط خاکسار خادم علی

لے فہم معانی قرآن میں اسلام کے فرقوں کا اختلاف پڑا ہے۔ ہر ایک فرقہ اور طرح پر بیان کرتا ہے۔ تو گویا جو کچھ کسی نے سمجھا اسی کو اپنا امام قرار دے لیا۔ یوں کہو کہ ہر ایک کی اپنی فہمید اسکا امام ہوئی جو ایک بے معنی بات ہے خاکسار خادم علی

کیونکہ بڑے بڑے بزرگ اصحابہ فہم معانی قرآن میں عاجز تھے کما لا یخفی اور زبیر عبداللہ ابن عمر نے حدیث کے معنی کو امامیہ اور دیگر عقلا کے مطابق سمجھا ہے۔ اور معلوم ہے کہ قول عبداللہ ابن عمر حجت ہے۔ شرح نہج البلاغہ وغیرہ کتب میں مسطور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر حاجیوں کے قافلہ میں رات کے وقت عبدالملک ابن مروان کے پاس اس کی بیعت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ تاکہ رات کو بیعت امام کے بدوں خواب نہ کرجاویں۔ کیونکہ انہوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔

دلیل ہفتم۔ خطبہ جناب امیر جو نہج البلاغہ میں ماثور ہے کہ اللھم بلی لا تخلو الارض من قائم للّٰہ بحجۃ اما ظاھراً مشھوراً او خائفاً مغموراً لئلا یبطل حجج اللّٰہ وبیناتہ وکم ذا واین اولئک الاقلون عدداً والاعظمون قدراً یحفظ اللّٰہ بھم حججہ وبیناتہ حتی یودعوھا الی نظرائھم ویزرعوھا فی قلوب اشباھھم۔ یعنی بارخدایا خالی نہیں ہوتی زمین حجت خدا سے خواہ ظاہر ہو اور مشہور خواہ غائب ہو اور مستور تاکہ حجتہائے الٰہی و بینات الٰہی باطل نہ ہوں۔ کس قدر مردم ہوں گے جو ایسے مرتبہ پر فائض ہوں گے۔ بہت کم ہیں عدد انکے اور بہت بلند ہے قدر اُن کا۔ حفظ کرتا ہے خدا انکے واسطہ سے اپنی دلائل بینہ کو تاآنکہ سپرد کرتے ہیں وہ انہیں اپنے امثال کو۔ اور بوتے ہیں انہیں اپنے جیسوں کے دلوں میں۔ اور حدیث متفق علیہ بین الفریقین اس کی مؤید ہے۔ وہ یہ ہے۔ انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی کتاب اللّٰہ وعترتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض قال ابن الحجر فی الصواعق المحرقۃ لہ وفی احادیث الحث علی التمسک باھل البیت اشارۃ الی عدم انقطاع متاھل منھم للتمسک بہ الی یوم القیامۃ کما ان الکتاب العزیز کذلک ولذلک کانوا اماناً لاھل الارض کما سیاتی ویشھد لذلک الخبر السابق فی کل خلف من امتی عدول من اھل بیتی الی آخرہ

یعنی میں چھوڑنے کو ہوں تم میں دو گرانقدر چیزیں اہلبیت اپنی اور قرآن کہ اگر تم ان سے تمسک کروگے تو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے حتی کہ میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچیں۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ اپنی میں فرمایا ہے کہ بیچ احادیث تمسک باہل بیت کے اشارہ یہ ہے کہ اہلبیت میں سے کوئی متاہل روز قیامت تک واسطے تمسک کے منقطع نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن مجید منقطع نہیں ہے اور باقی ہے قیامت تک اسی واسطے ہے۔ کہ اہلبیت رسول امان اہل زمین ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔ اور گواہی دیتی ہے اس کی وہ حدیث جو پیچھے گذر چکی ہے کہ بیچ ہر خلف کے میری امت میں سے عدول ہیں اہلبیت میری سے آخر تک۔ تمام ہوا کلام ابن حجر مکی کا صواعق محرقہ اس کی ہیں کلام حضرت مولائے مومنین اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی اور اس کا نہ خالی رہنا کسی مصلحت پر محتوی ہے۔ فان فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ اور اصلح بمقتضائے مصلحت خدا پر واجب ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

دلیل ہشتم قولہ تعالیٰ وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون یعنی پروردگار تیرا پیدا کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور برگزیدہ کرتا ہے اسے جسے چاہتا ہے نہیں ہے انہیں کوئی اختیار۔ پاک ہے خدا تعالیٰ اس چیز سے جسے وہ شریک اس کا قرار دیتے ہیں۔ وجہ استدلال بایں آیہ کریمہ یہ ہے کہ واسطے تقرری رئیس کے کلی اختیار خدا تعالیٰ کو ہے۔ لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے اور لوگوں کا اپنے واسطے رئیس[1] اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا شریک بنا دیا۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں حضرت عمر خلیفہ ثانی اور عبداللہ ابن عباس کے باہمی مناظرہ میں بیان کیا ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے اس امر میں کہ نصب امام خدا پر واجب ہے اس آیہ شریفہ سے استدلال فرمایا اور حضرت عمر پر غالب ہوئے۔ یہ تمام مناظرہ صاحب حدیقہ نے نقل فرمایا

[1] یعنی ایسا رئیس جسے وہ خود ہی خلیفۃ اللہ قرار دیکر دینی امور میں اپنا پیشوا بنائیں۔ خاکسار خادم علی

ہے بندہ نے اختصار کے لحاظ سے نقل نہیں کیا

دلیل نہم۔ ایک حدیث طولانی ہے۔ جسے محمد بن یعقوب کلینی نے باسناد خود روایت کیا ہے اور ہم اس کو حسب عادت مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔ یونس بن یعقوب کہتا ہے کہ میں حضرت صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص شام کا اس امام انام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں ایک شخص عالم اور متکلم اور فقیہ ہوں۔ اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جناب کے اصحاب کے ساتھ مناظرہ کروں۔ پس آنحضرت نے اپنے اصحاب کو طلب فرمایا۔ جب اصحاب نے اس کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس کو مجوب کر دیا۔ تاآنکہ ہشام ابن الحکم کی باری آئی۔ پس آنحضرت نے مرد شامی کو فرمایا تکلم ھذا الغلام یعنی کیا تو کلام کریگا۔ اس غلام کے ساتھ۔ مرد شامی نے عرض کی کہ ہاں کروں گا۔ پس مرد شامی نے ہشام کو کہا کہ اے جوان مجھ سے خاص کر اس شخص یعنی امام صادق علیہ السلام کے امامت کے بارہ میں سوال کر۔ پس ہشام غضب میں آیا۔ تاآنکہ لرزہ اس کے اندام پر شروع ہوا۔ بعد ازاں فرمایا اے شامی خدا تیرا اپنی خلقت پر شفیق تر ہے یا خلقت خود اپنے حال پر مہربان تر ہے شامی نے کہا بلکہ پروردگار میرا مہربان تر ہے۔ پس ہشام نے کہا کہ جب خدا تیرا مہربان تر ہے۔ پس اس مہربانی میں لوگوں کے لئے کیا کیا۔ شامی نے کہا کہ انکے فائدہ کے واسطے دلیل و حجت کو قائم کیا۔ تاکہ پراگندہ نہ ہوں اور باہم اختلاف نہ کریں۔ حجت خدا انکے درمیان تالیف فرما دیتا ہے اور ان کی کجی کو راست کرتا ہے اور انہیں فرض پروردگار کی خبر دیتا ہے۔ پس ہشام نے پوچھا کہ وہ حجت کون ہے۔ شامی نے کہا کہ رسول خدا۔ پس ہشام نے پوچھا۔ کہ بعد از آنحضرت حجت خدا کون ہے شامی نے کہا کتاب اور سنت۔ ہشام نے پوچھا آیا اختلاف رفع کے واسطے آج ہم کو کتاب و سنت فائدہ دے سکتی ہے۔ شامی نے کہا کہ ہاں ہشام نے پوچھا تو پھر کیوں میرا اور تیرا اختلاف ہوگیا اور تو ہمارے مناظرہ کے لئے شام سے آیا ہے پس شامی ساکت ہوا۔ جناب حضرت صادق آل محمدؐ نے شامی سے دریافت فرمایا کہ تو

کیوں ساکت ہو گیا ہے۔ شامی نے عرض کیا کہ اگر یہ کہوں کہ ہم باہم اختلاف نہیں رکھتے۔ تو
دروغگو ٹھہرتا ہوں۔ اور اگر یہ کہوں کہ کتاب و سنت ہمارے اختلاف کو رفع کرتی ہیں۔ تو قول
باطل کا قائل ہوتا ہوں۔ لانهما یحتملان الوجوه - اور اگر کہوں کہ ہم نے اختلاف کیا اور
ہر ایک ہم میں سے ادعا کرتا ہے کہ میں حق پر ہوں۔ پس اس وقت کتاب و سنت بکار نہیں
آتے۔ مگر یہ کہ میں اسی دلیل کو ہشام پر مقلوب کروں۔ پس حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا
کہ ہاں ہشام سے سوال کر۔ پس شامی نے ہشام سے سوال کیا کہ کون مہربان تر ہے خلقت خدا
پر ہشام نے کہا کہ ان کا پروردگار ان کے حال پر انکے نفوس سے مہربان تر ہے۔ شامی نے
کہا آیا انکے لئے ایسے شخص کو قائم کیا ہے۔ جو ان کے کلمہ کو مجتمع اور انکی کجی کو راست کرے
اور انکے حق و باطل میں تمیز دے۔ ہشام نے کہا کہ رسول خدا کے عہد کے متعلق سوال کرتا ہے
یا اس وقت کی بابت۔ شامی نے کہا کہ عہد رسول خدا میں تو رسول خدا حجت تھے لیکن اس
وقت کون ہے ہشام نے کہا کہ یہ بزرگوار جو بیٹھا ہوا ہے اور لوگ راہ ہائے دور سے اسباب
سفر باندھ کر اس کی خدمت میں پہنچتے ہیں۔ اور آسمانی حالات کی ہمیں خبر دیتا ہے اور ارثتش
از جد و پدر۔ شامی نے کہا کیونکر جانوں میں کہ ایسا ہے ہشام نے کہا کہ جو کچھ تیرا دل چاہے
سوال کر۔ شامی نے کہا کہ اے ہشام میرے عذر کو تو نے قطع کر دیا۔ اب سوال کرنا میرے ذمہ
ہے پس حضرت اس کے سفر کی تفاصیل کو از راہ اعجاز بیان فرماتے تھے اور شامی عرض کرتا
تھا۔ کہ آپ راست فرما رہے ہیں۔ آخر عرض کیا کہ میں نے اس وقت رضائے الہی کیواسطے
اسلام قبول کیا۔ پس حضرت نے فرمایا بلکہ ایمان لایا تو ساتھ خدا کے۔ بدرستیکہ اسلام قبل از ایمان
ہے۔ اور بنائے توارث اور تناکح اسلام پر ہے اور بنائے ثواب در روز حساب ایمان پر ہے
شامی نے عرض کیا کہ راست فرمایا آپ نے اور اسی وقت زبان سے کہا۔ اشھد ان لا
الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و انک وصی الاوصیاء
دلیل دہم وہ ہے جو جناب مولینا مجلسی حق الیقین میں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت رسولِ

کی بعثت آنحضرت کے زمانہ تک ہی مخصوص نہ تھی۔ بلکہ حضرت روز قیامت تک کافہ[۵۱]
خلق پر مبعوث تھے۔ ان کے لئے کتاب لائے اور شریعت خدا کی جانب سے مقرر ہوئی
اور ہر امر میں آداب و سنن یہاں تک کہ کھانے پینے جماع کرنے اور بیت الخلا میں جانے
کے انکے واسطے مقرر فرماتے اور فرائض و مواریث و قضایا و معاملات میں احکام واقعیہ
بوحی الٰہی مقرر فرمائے اور مدت بعثت آنحضرت کی قلیل تھی۔ اور اس مدت میں ایک جماعت
قلیل نے ظاہراً ایمان قبول کیا۔ کہ ان میں سے بھی اکثر باطن میں منافق تھے۔ پس کوئی
عاقل تجویز نہیں کرتا۔ کہ خدا اور رسول ایسے امر عظیم الشان کو ناتمام چھوڑ دیوے۔ اور اس
ملت اور شریعت اور کتاب اور سنت کے واسطے کوئی ایسا حافظہ جو کہ معصوم اور مامون از
کذب و سہو و تغیر و تبدیل ہو مقرر نہ کرے اور کتاب مجمل غامض زوجود و محامل امت کے
درمیان چھوڑ جائے۔ حالانکہ ابھی تک وہ کتاب جمع اور مرتب بھی نہ ہوئی ہو۔ اور جو کچھ لوگوں
کے درمیان ہو وہ ابھی غایت اجمال میں ہو۔ اور ہر کوئی اسے کسی طرح پر سمجھے۔ اور پھر اس
کا کوئی مفسر انکے لئے تعیین نہ فرمائے۔ باوجود اس کے کہ ابھی ہزار یک احکام ضروریہ
اس کے ظاہر میں نہ ہوں۔ اور احادیث اور سنت نہایت اختلاف اور تشویش میں ہوں۔
خداوند باآں لطف و مرحمت نسبت بعباد اور پیغمبر باآں مہربانی و شفقت درحق امت کیونکر
راضی ہوں گے اس امت کی حیرت اور ضلالت پر۔ پیغمبر بزرگوار نے اس قدر تکالیف اور
آزار بدن شریف اور نفس لطیف پر امت کی ہدایت کے لئے اٹھائے کیونکر ہو سکتا ہے۔
کہ یکدفعہ ہی ان سے ہاتھ اٹھا لیا ہو۔ اگر کوئی رئیس یا دہقان کسی وہ میں بیمار ہوتا ہے تو
بلحاظ اپنی شفقت کے رعیت اور مزارعے پر کسی کو تعیین کرتا ہے اور وصی مقرر کرتا ہے۔
اور اپنے متروکات کے لئے قواعد و ضوابط قرار دیتا ہے۔ پیغمبر آخر الزماں دنیا سے گذر جاوے
اور اپنے دین اور ملت اور کتاب اور سنت اور رعیت اور امت کے واسطے کسی کو تعیین
نہ کرے یہ خلاف عقل ہے۔ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ خصوصاً پیغمبر آخر الزمان سے جو

[۵۱] تمام

کہ عقل کل ہے۔

دلیل یازدہم وہ ہے جو آخوند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مخالفان معترف ہیں کہ عادت مقررہ حق تعالیٰ جمیع انبیا میں آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء تک یہ ہی رہی ہے کہ جب تک ان کا خلیفہ تعیین نہیں فرمایا تب تک انہیں دنیا سے نہیں اٹھایا۔ اور حضرت رسالتمآب کی سنت بھی تمام غزوات اور سفرہائے جزئی میں جو آپ نے مدینہ مشرفہ سے فرمائے تھے۔ یہ ہی تھی کہ رئیس اور خلیفہ تعیین فرماتے تھے اور تمام بلاد اور قرائے اسلام میں بھی البتہ حاکم نصب فرماتے تھے۔ پس ایسی مفارقت کبرے اور سفر بے انتہا میں کیونکر انکے حالات کو مہمل اور انکے امور کو معطل چھوڑ دیا۔

دلیل دوازدہم یہ ہے کہ نصب امام لطف ہے اور لطف حق تعالیٰ پر واجب ہے۔

محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ صاحب حدیقہ کی یہ دلیل محقق نصیر الدین طوسی کی کتاب تجرید سے ماخوذ ہے۔ اس دلیل پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ جو کہ علامہ قوشجی شارح تجرید نے بیان کئے ہیں۔ **اعتراض اول** یہ کہ نصب امام اس حالت میں لطف ہے جبکہ خالی از مفاسد ہو۔ اور مفاسد سے خالی ہونا ممنوع ہے۔ کیونکہ ادائے واجب و ترک حرام درصورت عدم امام زیادہ موجب ثواب ہیں۔ کیونکہ جب احتمال خوف امام کا نہ ہوگا تو یہ دونوں عمل خالص ہونگے **اعتراض دوم** یہ کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ نصب امام لطف ہے تو بھی واجب اس وقت ہوگا۔ جبکہ کوئی اور لطف اس کے قائم مقام نہ ہو مثل عصمت کے کیونکہ ایسا زمانہ ممکن ہے۔ جس میں سب لوگ معصوم ہوں اور امام سے مستغنی ہوں **اعتراض سوم** یہ کہ نصب امام تب لطف ہوگا۔ جبکہ امام ظاہر اور قاہر اور قبائح سے زاجر اور تنفیذ احکام اور اعلاء لوائے اسلام

حاشیہ بر دلیل یازدہم:۔ اردو میں مولانا شیخ احمد صاحب مرحوم دیوبندی نے ایک کتاب موسوم بہ تاریخ الانبیاء لکھی ہے۔ جس میں مولانائے موصوف نے حضرت آدم سے لے کر جناب ختم الانبیاء تک ہر ایک نبی کے خلف ہونے کا حال لکھا ہے۔ فمن شاء فلیرجع الیہ۔ فقط خاکسار خادم علی۔

پر قادر ہو اور امامیہ کے نزدیک یہ لازم نہیں ہے۔ پس وہ امام کہ جس کے وجوب کے امامیہ مدعی ہیں لطف نہیں ہے۔ انتہی۔ محقق نصیر الدین طوسی نے پہلے اعتراض کا اس طرح پر جواب[۱] دیا ہے کہ والمفاسد معلومۃ الانتفاء یعنی مفاسد مذکورہ کا انتفا معلوم اور ظاہر اور بین ہے۔ اور دوسرے اعتراض کا یوں جواب[۲] دیا ہے کہ وانحصار اللطف معلوم للعقلا یعنی عقلا کے نزدیک لطف امام ہی میں منحصر ہے اور تیسرے اعتراض سے جناب محقق نے یہ جواب[۳] دیا ہے کہ وجودہ لطف وتصرفہ لطف اٰخر وعدمہ منا یعنی امام کا وجود ایک لطف ہے خواہ وہ امور مردم میں تصرف کرے یا نہ کرے جیسا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے۔ انہ قال لا یخلو الارض عن قائم للہ بحجتہ اما ظاہراً مشہوراً او خائفاً مغموراً لئلا یبطل حجج اللہ وبنیاتہ یعنی خالی نہیں رہتی زمین حجت خدا سے خواہ وہ ظاہر مشہور ہو یا خائف مستور۔ تاکہ حجتہائے الٰہی وبنیات الٰہی باطل نہ ہوجائیں اور امام کا ظاہری تصرف دوسرا لطف ہے اور امام کا عدم تصرف ظاہری از جہت عباد اور انکے سوء اختیار سے ہے۔ جبکہ انہوں نے امام کو خوف دلایا اور اس کی نصرت کو ترک کر دیا۔ پس لطف کو اپنے نفسوں پر خود فوت کر دیا۔ اور علامہ قوشجی شارح تجرید نے ہر سہ جوابات کے جواب میں صرف لانسلم فرمایا ہے اور سند منع بیان نہیں فرمائی۔ محرر اوراق گذارش کرتا ہے کہ تحقیق حق یہ ہے کہ لطف در امر امامت چند امور کے ساتھ تمام اور کامل ہوتا ہے۔ ان امور میں سے بعض خدا پر واجب ہیں اور وہ امام کا خلق کرنا ہے اور اس کو تمکن دنیا کے ساتھ قیام بلوازم امامت کے اور علم عطا کرنا ہے اور اسم ونسب کے ساتھ اسپر تنقیص کرنا ہے یہ امور تو سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکے۔ اور ان امور میں سے بعض امام پر واجب ہیں اور وہ اس کا امانت الٰہی کو تحمل کرنا اور اسے قبول کرنا ہے۔ وہ امام علیہ السلام نے کر لیا اور ان امور میں سے بعض رعیت پر واجب ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کی مساعدت کریں اور نصرت کریں اور اس کے اوامر ونواہی کو قبول کریں اور اس کے قول کی امتثال کریں۔ اور یہ امور رعیت سے نہ ہو سکے۔ پس لطف تب کامل ہوتا جبکہ رعایا اپنے واجبات کو ادا کرتی۔ جبکہ

انہوں نے اپنے واجبات کو مثل مساعدت و نصرت و امتثال کے لطف کی تکمیل کے واسطے ادا نہ کیا۔ تو گویا وہ خود ہی باعث ہوئے۔ کہ لطف ظاہری ان سے اٹھایا گیا۔ واضح ہو کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں یہی اعتراض جو کہ علامہ قوشجی شارح تجرید نے بیان کئے ہیں درج کر دئے ہیں۔ اور انکو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اور انپر زیادہ یہ افادہ فرمایا ہے کہ امام کا از جانب الہی نصب ہونا متضمن مفاسد کثیرہ اور فتنوں کے برانگیختہ ہونے کا باعث ہے۔ اور موجب ہرج مرج اور منجر بہ تعطیل امر امامت ہے صاحب حدیقہ اعلی اللہ مقامہ نے اس کا جواب بہ تفصیل تحریر فرمایا ہے۔ جس کو میں مختصر طور پر عرض کرتا ہوں **اول** یہ کہ کوئی مسلمان دیندار اور عادل و منصف زبان پر نہیں لا سکتا کہ نصب اور تعیین الہی متضمن مفاسد اور ثوران فتن ہو اور اس منصب کی تفویض بطرف خلائق مختلف الآراء و ناقص العقول موجب اصلاح عالم ہو۔ مگر چونکہ بعد از وفات حضرت سرور کائنات اس تفویض سے یہ نتیجہ ظہور میں آیا کہ ظلم اور ستم اور قتل اور نہب اور ہتک عرض اہلبیت وقوع میں آئی۔ اس لئے امر امامت کا خلائق کی طرف تفویض ہونا حضرت شاہ صاحب کے متبعان کے سرور کا موجب ہوا۔ اور **بعد** ازاں فرماتے ہیں کہ معہدہ الامور تعیین رئیس کو جو کہ امور دینی و دنیوی کا مصلح ہو آرائی مختلفہ پر مفوض کرنا جیسا کہ مزعوم اہلسنت ہے۔ مستلزم اس امر کا ہے کہ حق تعالی سے جہالت اور نادانی ہوئی ہے العیاذ باللہ **بعد** ازاں پھر فرماتے ہیں کہ بنا بر اعتقاد امامیہ امام کا حال بعینہ مثل حال انبیاء و نواب عمال انبیاء کے ہوا کرتا ہے۔ جو حق تعالی کی طرف سے منصوب اور مبعوث ہو کر خلق کی طرف آتے ہیں۔ و بادشاہان انکو ممالک پر معین کر کے بھیجا پس ہرگاہ خلق اور رعایا نے ایسے انبیاء اور حکام اور اعمال کی اطاعت کی ہے۔ متمتع ہوئے ہیں اور اگر عصیان کر کے انبیا اور حکام کو مقتول اور مخذول کر دیا ہے تو مورد ذم و ناراضامندی خدا و رسول خدا ہوئے ہیں۔ **نیز** بعد از چند سطور فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ شاہ صاحب عبدالعزیز خود ہی آرائے عالمیان کو مختلف اور خواہشہائے نفوس کو متفاوت بیان فرمائیں اور پھر بعد ازاں نصب امام کو اُن آراء مختلفہ اور خواہشہائے

نفوس متضادنہ پر موکوں اور مفوض کریں۔ حالانکہ اتباع و پیروی نفوس عقلاً وسمعاً مذموم ہے
خصوصاً حکمرانی شریعت اور نصب امام میں۔ کیونکہ اگر نصب امام کہ معدن شرع و احکام ہے۔
موقوف برائے عالمیاں ہو تو درحقیقت تمام احکام شریعت مفوض براہوائے رعیت ہونگے
اور شناعت اور فظاعت اس کی بداہت عقل و شہادت نقل معلوم اور ظاہر ہے۔ قال اللہ
تعالیٰ ولا تتبعوا لھوای وقال سبحانہ ولو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوات
والارض ومافیھن یعنی پیروی خواہشہائے نفسانی کی نہ کرو۔ اگر حق موافق انکی خواہشوں
کے ہوتا تو ضرور آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے فاسد اور خراب ہو جاتا۔ آیا ممکن ہے
کہ حق تعالیٰ خلق کو پیروی ہوائے نفسانی سے تو ممانعت کرے اور تعیین امام کو ہوائے
نفسانی پر چھوڑے۔ اور حالانکہ موافقت حق کو ساتھ خواہش مردم کے تو باعث فساد ارض و
سما فرمائے اور پھر اسی فساد کو جائز اور روا رکھے۔ شاہ صاحب کو ملک جبار اور بادشاہ قہار
کے ساتھ طرفہ مخالفت اور نزاع ہے کہ شاہ صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر نصب امام خدا پر لازم
ہو تو ہرج لازم آتا ہے اور فسادات کثیرہ اور فتنہ انگیزی کا باعث ہوتا ہے اور اگر لوگوں کے
حسب خواہش ہو تو کوئی فتنہ اور فساد برپا نہیں ہوتا۔ اور خدائیتعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اگر حق
موافق خواہشہائے مردم وقوع میں آوے تو کون ومکان میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ اب مسلمان
خدا میں اور شاہ صاحب میں حکم ہو کر فیصلہ کریں کہ حق بجانب کون ہے۔ آیا خدائیتعالیٰ حق پر ہے
یا کہ شاہ صاحب۔ نیز صاحب حدیقہ اعلی اللہ مقامہ نے فرمایا ہے کہ اگر نصب امام آرائے
مختلفہ پر واجب ہے تو کیوں حضرت عمر کی خلافت پر اجماع واقع نہ ہوا۔ اور محض حضرت ابوبکر کی
وصیت ہی سے انکی خلافت منعقد ہوئی محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت
پر کیوں اجماع واقع نہ ہوا۔ وہ بھی کیوں شوریٰ پر چھوڑے گئے۔ بلکہ ہرسہ خلافت پر اجماع
واقع نہیں ہوا۔ جیساکہ عرض کیا گیا ہے۔ نیز صاحب حدیقہ اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔ کہ
جب اُن حضرات کے زعم میں حق تعالیٰ نے نصب امام کو خلقت کے اختیار میں چھوڑا ہے

S.A.R.B.

تاکہ خدا کے نصب کرنے کے باعث جہاں میں فتنہ اور فساد واقع نہ ہو تو وہی حضرات بتا دیں کہ چند یں صد سال میں اس خلقت نے کونسا امام منصوب کیا ہے اور کونسا شر خلقت کے سر سے رفع ہوا ہے۔ محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ کس امام کی بیعت کی ریسمان انکی گردن میں ہے تاکہ وہ جاہلیت کی موت نہ مریں۔ اگر بقول انکے انکا امام قرآن ہے تو قرآن کی تعیین اور تنزیل تو خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ خلقت کے اختیار میں۔ پس بتا دیویں کہ وہ امام جس کی تعیین لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور بقول شاہ عبدالعزیز صاحب فتنہ اور شر کو مٹانے والا ہے کون صاحب ہیں۔ نیز یہ کہ اگر خدا کی طرف سے امام کے نصب ہونے میں مقاصد مترتب ہوتے ہیں۔ تو لازم آتا ہے کہ انبیاء کے نصب پر بھی مقاصد کثیرہ مرتب ہوں۔ لاشتراک العلۃ اور نیز معلوم اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اکثر انبیاء کو مبعوث اور منصوب فرمایا اور وہ مدت العمر امت جفاکار کے ہاتھوں معطل رہے اور مخذول و منکوب بلکہ مقتول ہوئے اور انکی بعثت نے مطلقاً امت کو فائدہ نہ بخشا تو کیا لازم آتا ہے کہ خدا نے انکو عبث مبعوث اور منصوب فرمایا اور ناحق انہیں معرض ہلاکت میں ڈالا۔ اور اپنی مخلوق کو ناحق عذاب کا مستحق بنایا بقول شاہ صاحب کے تو بہتر تھا کہ انکو مبعوث نہ فرماتا تاکہ انکی تعطیل لازم نہ آتی۔ یا اگر مبعوث فرمانا ہی تھا۔ تو پہلے خلقت کے ساتھ ان کے بارہ میں مشورہ کر لیا ہوتا۔ تاکہ لوگ انکی مخالفت نہ کرتے نعوذ باللہ من ذالک۔ اور صاحب حدیقہ لطف کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ کہ نبی آدم کے فساد کو رفع کرنے اور انکے امور معاش و معاد کا انتظام کرنے اور اتمام حجت الٰہی وغیرہ میں امام کا حال رسول کے حال کی مانند ہے۔ اور جبکہ سوائے اتمام حجت الٰہی کے دیگر منافع کا فوت ہونا اکثر انبیاء کی صورت بعثت میں ثابت ہے۔ تو فوت ہونا ان منافع کا تعیین امام کے باب میں مضر نہ ہوگا۔ بعد از تقریر طولانی پھر فرماتے ہیں جیسا کہ بعثت انبیا اور تکلیف عین تفضل الٰہی اور سبب اصلاح حال خلائق ہے۔ خواہ خلقت بعثت

له قولہ تعالیٰ یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن ۱۲ کاسر خادم علی

انبیاء سے منتفع ہو یا بہ سبب سوء اختیار خود نہ ہو ایسا ہی حال امامت کا ہے۔ جبکہ بعثت مذکورہ
انبیاء کہ جس سے لوگ منتفع نہیں ہوئے۔ بالاتفاق واقع ہے تو نصب امام میں جس سے لوگ
منتفع نہ ہوں کیا قباحت لازم آتی ہے۔ نیز صاحب حدیقہ اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔ کہ
صاحب تحفہ نے جو فرمایا ہے کہ وجود امام بہ شرط تصرف و نصرت لطف ہے اور بدوں تصرف
و نصرت متضمن مفاسد کثیرہ ہے۔ یہ صاحب تحفہ کی بیہودہ سرائی ہے جو مبنی بر جہل یا تجاہل
بے معنی لطف سے۔ اور چشم پوشی اس کی ہے شرائط لطف سے۔ کیونکہ لطف ایک فعل ہے
جو کہ سبب تمکین بندگان باموراطاعت یا سبب تقریب بندگاں بطرف طاعت ہو۔ بدوں اس
کے کہ بندگاں فعل طاعت میں مجبور ہوں۔ اور امتحان مطلوب برہم ہو جاوے اور تمکین و تقریب
کا خدا کی طرف سے محض نبی یا امام کے ساتھ متحقق ہونا ظاہر ہے اور لوگوں کا اس سے اعراض
کرنا یا ان کا اس کی اطاعت سے امتناع کرنا اس کا قادح نہیں ہے۔ پس اشتراط لطف
بہ نصرت بے معنی ہوگا پس لطف اطاعت کی علت تامہ نہیں ہے۔ تاکہ جس وقت لطف
ممکن یا مقرب متحقق ہو اطاعت بالضرورۃ پائی جائے۔ کیونکہ اگر وہ اطاعت کی علت تامہ
ہوگا تو بندگان اطاعت کی بجاآوری میں اختیار اور اختیار سے باہر ہو جائیں گے۔ پس
مصلحت تکلیف ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ پس اشتراط بہ نصرت و تصرف اس وقت متصور ہوگا
جبکہ ہم یہ کہیں کہ لطف وہ ہے کہ جس کے حصول پر حصول طاعت واجب ہو اور حالانکہ ایسا
نہیں ہے۔ یہ تھا خلاصہ صاحب حدیقہ اعلی اللہ مقامہ کا۔ بخوف طوالت میں انکی تمام عبارت
نقل نہیں کر سکا۔ صاحبان بصیرۃ غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ انہوں نے تو ان مطالب کو
بکمال بسط و تفصیل تحریر فرمایا ہے۔ اور یہاں انکا خلاصہ نقل کیا گیا ہے۔ محرر اوراق عرض کرتا
ہے کہ ان اجوبہ علمائے امامیہ میں سے بعض میں خصم کو کلام کرنے کی مجال اور گنجائش ہے۔
لیکن حکماء امامیہ اور عرفاء اثنا عشریہ اپنے قوانین عقلیہ و آیات قرآنیہ سے جانتے ہیں۔ کہ

ل قولہ تعالی وجعلہا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلہم یرجعون ۱۲ خاکسار خادم علی

زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی نبی ہو یا وصی - اور سنت اللہ آدم اور نوح اور آل عمران اور آل ابراہیم سے لے کر الی وقت نبینا محمدؐ اسی طرح پر جاری رہی ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام سے نہج البلاغت میں منقول ہے الا ان مثل آل محمد صلی اللہ علیہ والہ کمثل نجوم السماء اذا خوی نجم طلع نجم یعنی جاننا چاہئے کہ آل محمدؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کی مثال ہے کہ جب ایک ستارہ غروب ہو جاتا ہے۔ تو دوسرا طلوع ہو جاتا ہے - اور نیز اسی کتاب میں آنحضرت سے بذکر وفات سرور کائنات منقول ہے کہ وخلف فیکم ما خلفت الانبیاء فی امھا اذ لم یترکوھم ھملاً بغیر طریق واضح ولا علم قائم یعنی جناب مقدس نبوی نے اپنے بعد تمہارے درمیان اس چیز کو چھوڑا جو پہلے نبی اپنی امتوں میں چھوڑتے آئے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں نے اپنی امتوں کو بغیر راہ روشن ہویدا اور بغیر علامت و نشان ثابت یعنی اوصیا کے مہمل نہیں چھوڑا۔ اور نیز اسی کتاب میں آنحضرت سے منقول ہے کہ ولم یخل اللہ سبحانہ خلقہ من نبی مرسل وکتاب منزل او حجۃ لازمۃ ومحجۃ قائمۃ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی خلقت کو نبی مرسل و کتاب منزل یا حجت لازم یعنی امام و علامت استوار یعنی معجزہ سے خالی نہیں چھوڑا۔ پھر بعد کچھ سطور کے فرماتے ہیں کہ علی ذالک نسلت القرون ومضت الدھور وسلفت الآباء وخلفت الانبیاء۔ یعنی اس روش پر مدتیں اور زمانے گذرتے رہے ہیں۔ اور باپ گذر گئے اور بیٹے انکے بعد آئے یعنی کئی نسلیں گذریں اور اسی کتاب میں ایک اور مقام میں ذکر آدم کی اثنا میں فرماتے ہیں۔ ولم یخلھم بعد ان قبضہ مما یوکد علیھم حجۃ ربوبیتہ ویصل بینھم وبین معرفتہ بل تعاھدھم بالحجج علی السن خیرۃ من انبیائہ ومتحملی ودائع رسالاتہ یعنی اور خالی نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ نے انکو بعد از قبض روح آدم اس شخص سے جو ان پر اس کی حجت ربوبیت کی تاکید کرے اور انکے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مابین پیوند کرے بلکہ انکے ساتھ اپنے برگزیدگان یعنی انبیا کی زبانوں سے اپنی حجج اور امانت برادران رسالت کا عہد کیا۔ لیکن چونکہ نبوت اور رسالت ختم ہو چکی ہے۔ پس اس زمانہ میں امامت جو باطن نبوت

ہے روز قیامت تک باقی ہے۔ پس لابد ہے ہر زمانہ میں بعد زمانہ رسالت کے وجود ولی کا جو عبادت کرے خدا کی اور پر شہود کشفی کے اور عالم ہو کتاب الٰہی اور ناخذ علما اور مجتہدین کا اور لازم ہے کہ وہ صاحب ریاست مطلقہ ہو۔ اور امام ہو امر دین اور دنیا میں خواہ رعیت اس کی اطاعت کرے یا عصیان۔ اور خواہ لوگ اس کی اجابت کریں یا انکار۔ جیسا کہ رسول رسول ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی رسالت پر کوئی ایمان نہ لاوے مثل نوح علیہ السلام کے۔ ویسا ہی امام امام ہوتا ہے۔ اگرچہ رعیت میں سے کوئی اس کی اطاعت نہ کرے اور مثال اس کی یہ ہے کہ طبیب سے اگر علاج نہ کرایا جاوے یا مریض شفایاب نہ ہو تو پھر بھی وہ طبیب ہے۔ ایسا ہی حکم اطبا نفوس اور فاجین امراض نفسانیہ کا ہے۔ کہ وہ انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور ہم انشاء اللہ فصل ثانی میں اس مطلب کو ایسے طور پر بیان کرینگے کہ خصم کو مجال کلام کی باقی نہ رہے۔

فصل دوم

ان ادلہ کے بیان میں جو اس حقیر نے قواعد حکمیہ فلسفیہ سے وجوب نصب امام میں استنباط کی ہیں اور ہیں انکے بیان میں متفرد ہوں اور نیز اس فصل میں یہ بھی بیان ہوگا کہ امام ظاہر ہو یا غائب فائدہ میں مساوی ہیں *

دلیل اوّل

علتِ غائیہ

جاننا چاہئے کہ وجود نبی یا امام کا محض اس لئے نہیں ہے کہ خلقت اس کی طرف اپنی دین اور دنیا کی اصلاح میں محتاج ہیں۔ اور وجود نبی یا امام کی غرض اور علت غائیہ یہ نہیں ہے۔ کہ اقامہ حدود و سد ثغور و تجہیز جیوش و اکثر سے از امور متعلقہ بحفظ نظام و حفظ بیضۂ اسلام کرے یا لوگوں کو نماز و روزہ و دیگر احکام شرعیہ کی تعلیم کرے تاکہ اگر امام غائب اور مستور ہو یا مرجع خلائق نہ ہو تو فرض و غائت کا فوت ہونا لازم آوے۔ اگرچہ یہ امور بھی وجود نبی یا امام پر مترتب ہیں لیکن بالعرض ہیں نہ کہ بالذات۔ بلکہ مقصود بالذات اور علت غائیہ وجود نبی یا امام سے یہ ہے کہ امام کا وجود سبب ہے وجود زمین و ما فیہا کا۔ اور امام کی بقا سبب ہے بقائے زمین و ما فیہا کی۔ اور مسبب بدوں سبب[1] کے قائم نہیں رہ سکتا۔ کما ھو القاعدۃ

[1] سبب سے مراد علت تامہ ہے۔ علل چہارگانہ یعنی علت فاعلی علت صوری علت مادی اور علت غائی کی۔ پس یہ اشکال کہ ایک صناع کی صنعت قائم رہ سکتی ہے اگرچہ وہ خود باقی نہ ہو واقع نہیں ہو سکتا۔ خاکسار خادم علی

العلت والمعلول۔ پس زمین ومافیہا وجود امام سے قائم ہے۔ اس تقریر سے طعن فرقہ مخالفین کا امامیہ پر وارد نہیں ہوسکتا۔ اور جس قدر اعتراضات شارح قوشجی اور شاہ عبدالعزیز وغیرہما نے باب لطف میں بیان کئے ہیں وہ وارد نہیں ہوسکتے۔ اور حقیقت میں لطف کے معنی بھی یہی ہیں۔ جو کہ حقیر نے عرض کئے۔ اور یہی معنی ہیں محقق نصیرالدین طوسی کے قول کے جو اس نے تجرید میں فرمایا ہے وجودہ لطف وتصرفہ لطف آخر وعدمہ منا۔ یعنی باوجود اس کے کہ دنیا امام کے وجود سے قائم ہے لازم آتا ہے کہ امام کا وجود شریف ایسا ہو کہ اگر لوگ اس سے ہدایت پانا چاہیں تو ہدایت پاسکیں۔ اگر نہ پانا چاہیں تو یہ بہ سبب انکے احتجاب کے ہے حق سے ساتھ ظلمت کے اور غلبہ ہوائے نفسانی اور شہوات نفسانی کے باعث سے ہے جو وہ محروم رہتے ہیں

مطلب اوّل

دلیل اس امر کی کہ نبی یا امام محض احکام شرعیہ کے نافذ کرنے یا اقامہ حدود کے لئے نہیں ہوتا۔

وہ یہ ہے کہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ غائیت ہمیشہ ذوالغایت سے اشرف ہوا کرتی ہے پس یہ توہم کہ معصومین کے ذوات کاملہ ونفوس عالیہ وانوار شافحہ محض اس لئے مخلوق ہیں کہ اہتدائے خلق کریں تاکہ وجود عالی کی غائیت انتفاع سافل ہوجائے باطل ہے جیسا کہ توہم باطل ہے کہ حرکات افلاک دوران شمس وقمر ونجوم اور دوب دسعی انکی لیل ونہار واسطے انتفاع سافلات مثل حیوان ونبات وجماد کے اور حصول فصول اربعہ واختلاف ازمنہ کے اور اصلاح احوال بقاع وبلاد کے ہے۔ کیونکہ وہ مسخر بامراللہ اور مقید بزمام تقدیر ہیں۔ اور

لہ مثلاً بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے تخت بنایا جائے تو تخت ذوالغائت ہے اور بادشاہ کا اسپر بیٹھنا اس کی غائت ہے جو تخت سے اشرف ہے فقط خاکسار خادم علی

انکی حرکت بالذات محض عبادت الٰہی ہے اور واسطے تقرب بخدا اور تشبہ بالمقربین کے ہے بعبارۃ اُخری مملو از عشق ہے اور عشق انکو تقرب اور تشبہ بالمقربین کا ہے۔ اور انقلاع سافلات مثل حیوان و نبات و جماد و دیگر مذکورات کے بالتبع لازم آتا ہے نہ کہ بالذات کیونکہ مقصود بالذات انکی حرکات سے تقرب بخدا اور تشبہ بالمقربین ہے۔ ایسا ہی انبیاء اور آئمہ ہدیٰ کے وجود سے غرض اور غایت بالذات اصلاح حال امم نہیں ہے۔ تاکہ قاعدہ مسلمہ مذکورہ کا خلاف لازم آوے۔ بلکہ بموجب قاعدہ مذکورہ کے **وجود نبی یا امام کی غائت اور غرض بالذات لازمی ہے کہ ان سے اعلیٰ ہو**۔ اور وہ کیا ہے؟ قرب من اللہ و وصول الی القاعد۔ جیساکہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ کنت کنزاً مخفیا فاجبت ان اعرف مخلقت الخلق لکے اعرف یعنی میں ایک خزانہ مخفی تھا۔ پس دوست رکھا میں نے کہ پہچانا جاؤں۔ پس پیدا کیا میں نے خلق کو تاکہ پہچانا جاؤں۔ اور چونکہ عارف حقیقی نبی یا امام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ **پس غائت انکی فقط عرفان الٰہی ہے**۔ لیکن ان کے ان افعال پر چلنے وہ متقرب الی اللہ ہوتے ہیں اہتدا امت الی سبیل نجاتہم و فوز الی سعادتہم بالتبع و بالعرض مترتب ہوتا ہے۔

اور واضح ہو کہ وجود شے دو قسم پر ہے۔ ایک[۱] وجود شئی فی نفسہ لنفسہ اور اس کی مثال وجود جواہر مفارقہ ہے اور دوسرا وجود شے فی نفسہ لغیرہ اور اس کی مثال اعراض و صور مادیہ

[۱] اللہ الذی خلق سبع سمٰوات و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئی علما۔ خاکسار خادم علی

[۲] جس شے کی ہستی کسی دوسری شے کے ساتھ قائم نہ ہو۔ بلکہ قائم بالذات ہو تو اس ہستی کو وجود شے فی نفسہ لنفسہ کہینگے اور جس شے کی ہستی تو ہو مگر وہ ہستی کسی دوسری شے کیساتھ قائم ہو تو اس ہستی کو وجود شے فی نفسہ لغیرہ کہینگے جیسے کہ ایک سبز کاغذ ہو تو سبزی موجود تو ہے۔ مگر کاغذ کے وجود کیساتھ اگر کاغذ نہ ہو تو وہ سبزی بھی نہ رہیگی۔ کاغذ اس سبزی کا موضوع ہے۔ خاکسار خادم علی

کا وجود ہے کیونکہ ان کے وجودات فی نفسہا بعینہا وہی ہیں جو کہ موضوعات اور مواد کے ساتھ ہیں یعنی اعراض اور صور مادیہ کے وجودات مستقلہ موضوعات اور مواد سے علیحدہ نہیں ہیں ۔ بلکہ انکے وجودات مستقلہ وہی ہیں جو کہ موضوعات اور مواد کے ساتھ ہیں ۔

جواہر مفارقہ کو کبھی وجود نسبی عارض ہو جاتا ہے مثل نفس ناطقہ کے کہ اس کے دو وجود ہیں ۔ ایک اس کا وجود نفسہا اور وہ اس کا حقیقی وجود ہے ۔ اور دوسرا اس کا وجود واسطے بدن کے اور وہ اس کا نسبی وجود ہے ۔ وہ اس کا نسبی وجود کیا ہے ؟ وہ نفسیت نفس اور اس کا بدن میں مدبر ہونا ہے ۔ پس جبکہ اس کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاوے تو اس کا وجود نسبی یعنی نفسیت نفس زائل ہو جاتا ہے ۔ اور اس کی ذات اور حقیقی وجود رہ جاتا ہے ۔ کیونکہ اس کا وجود نسبی غیر از وجود حقیقی ہے ۔ برخلاف اعراض اور صور کے کہ انکا وجود حقیقی ہی انکا وجود نسبی ہوا کرتا ہے ۔ پس جبکہ صور اور اعراض اپنی موضوعات اور مواد سے زائل ہوں تو انکا وجود حقیقی باطل ہو جاتا ہے ۔

جب کہ یہ معلوم ہو چکا ۔ پس ہم کہتے ہیں ۔ کہ نبی یا امام کا حجت بر خلق ہونا ایک اضافت اور نسبت ہے ۔ جو اُس کے وجود کو عارض ہو جاتی ہے اور اسی حیثیت سے اس کی ذات مع الخلق کہلاتی ہے ۔ جس کو حکمانے کون عند الطبیعۃ سے تعبیر کیا ہے ۔ پس جبکہ خلقت نہ ہو گی وہ انپر حجت نہ ہو گا ۔ یعنی اس کی حجیت انپر سے جاتی رہیگی ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ۔ کہ جب وہ حجت بر خلق نہ ہو تب وہ فی حد ذاتہ موجود ہی نہ ہو ۔ بلکہ ذوات حجج الہیہ چونکہ مرتفعۃ الذوات از مواد و جسمانیات ہوتے ہیں ۔ اس لئے وہ فی حد حقائقہا و ذواتہا ببقاء اللہ تعالی باقی رہتے ہیں ۔

پس وہ ذوات مقدسہ طاہرہ اس حیثیت سے کہ وہ واسطہ فی الایجاد جمیع خلائق ہیں قبول الخلق ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ غایات ہیں کہ جس کی طرف جسمانیات منتہی ہوتے ہیں بعد الخلق ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ حجت بر خلق ہیں اور لوگ ظلمات احوال ہیں

انکے نور سے طریق آخرت وسبیل قدس کی طرف ہدائت پاتے ہیں مع الخلق ہیں۔ جیسا کہ ہم نے رسالہ عرشیہ میں مفصل اور مبرہن کر دیا ہؤا ہے۔ کہ نفوس ناطقہ کے تین وجود اور کون ہیں ایک کون[ل] قبل الطبیعتہ دوسرا کون ما بعد الطبیعتہ اور تیسرا کون عند الطبیعتہ۔ ایسا ہی وجود امام تین قسم پر ہے (۱) وجود قبل الخلق (۲) وجود بعد الخلق (۳) وجود مع الخلق اور اس تقریر کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔ جو محمد بن یعقوب کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کافی میں باسناد خود حضرت امام صادق علیہ السلام نے الحجتہ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق یعنی حجت یا امام کا وجود قبل الخلق ہوتا ہے اور مع الخلق ہوتا ہے اور بعد الخلق ہوتا ہے۔ فافہم ولا اراك ان تفہم لانك لست من الطيارين ولا من السيارين فادع الى الله وتفزع اليه وارج بلطفه ورحمته ان لا تكون من المحبوسين في سجن التعلق بحبل التقليد انه لطيف بمن دعاه ومستجيب بمن ناجاه

مطلب دوم

دلیل اس امر کی کہ وجود امام سبب ہے واسطے وجود زمین و ما فیہا کے اور بقائے امام سبب ہے واسطے بقائے زمین و ما فیہا کے

اللہ تعالی نے جبکہ موجودات مترتبہ فی الشرف والخست کو برسنت ابداع خلق فرمایا۔ یہاں تک کہ نہایت اور مرکز موجودات دنائت اور سفالت میں واصل ہوئے۔ اور وہ مواد عنصریہ اور خصوصاً مواد ارضیہ ہیں جو کہ منبع خست اور کثافت اور معدن بُعد عن اللطافت ہیں تو ارادۂ الٰہی یہ ہؤا کہ انکو بمعہ ان جہات امتزاج و ترکیب کے جو اس نے انپر ارزانی

ل کون قبل الطبیعت جبکہ وہ خزائن علم الٰہی میں موجود ہوتا ہے۔ کون عند الطبیعتہ جبکہ وہ مدبر بدن ہوتا ہے اور نفس کہلاتا ہے کون ما بعد الطبیعتہ جبکہ بعد استکمال بدن انسانی کو چھوڑ جاتا ہے اور اس کے جملہ کمالات بالفعل ہوجاتے ہیں۔ اس کون میں اسے روح کہتے ہیں *

کی ہیں غائت شرف اور علو تک ترقی دیوے۔ پس ان موجودات عایدہ میں سے اشرف اور اعلی کو اس سے اخس اور ادنی کے واسطے سبب کمال اور علت غائیہ گردانا۔ پس خلق کیا ارض کو واسطے نبات کے اور نبات کو واسطے حیوان کے۔ اور حیوان کو واسطے انسان کے۔ اور آخر درجہ انسان جو غائت ان اکوان کا ہے وہ مرتبہ امامت کا ہے۔ یعنی انسان کامل جو سلطان عالم ارضی اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ پس زمین و ما فیہا اسکے مخلوق ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے لولاک لما خلقت الافلاک پس جس کے لئے کوئی چیز خلق ہوئی ہو اگر وہ علت غائی اس چیز کی موجود نہ ہو تو وہ چیز ہلاک ہو جاتی ہے جیسا کہ مباحث علت و معلول میں مبرہن ہے۔ پس موجود ہونا انسان کامل کا جو سلطان عالم ارضی اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے ہر زمانہ میں لازمی ہے۔ اور ثابت ہو گیا کہ وجود انسان کامل سے زمین و ما فیہا کا وجود ہے اور بقائے انسان کامل سے زمین و ما فیہا کا بقا ہے چنانچہ جناب امیرالمومنین علی سے دعائے عدیلہ میں منقول ہے کہ وہ جناب امام عصر کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ الذی ببقائہ بقیت الدنیا و لوجودہ ثبتت الارض والسماء یعنی امام عصر کی بقا سے دنیا باقی رہتی ہے۔ اور اس کے وجود سے زمین و آسمان برقرار ہے اور نیز اس تقریر کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔ جو محمد بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی میں باسناد خود ابی حمزہ شمالی سے روایت کی ہے۔ انہ قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام تبقی الارض بغیر امام قال لو بقیت الارض بغیر امام لساخت یعنی ابو حمزہ شمالی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا خدمت میں امام صادق علیہ السلام کے کہ آیا باقی رہ سکتی ہے زمین بغیر امام کے آپ نے فرمایا کہ اگر باقی رہے زمین بغیر امام کے تو ضرور غائب اور ہلاک ہو جاوے اور نیز وہ حدیث جو امام احمد حنبل نے کتاب مناقب میں روائت کی ہے۔ قال رسول اللہ النجوم امان لاھل السماء فاذا ذھبت النجوم ذھب اھل السماء و اھلبیتی امان لاھل الارض فاذا ذھب اھل بیتی ذھب اھل الارض

یعنی فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ ستارے امان اہل آسمان ہیں۔ پس جب ستارے نہ رہینگے۔ تب اہل آسمان نہ رہیں گے اور اہلبیت میرے امان اہل زمین ہیں۔ پس جب میرے اہلبیت نہ رہینگے تب اہل زمین نہ رہینگے اور نیز پسر امام احمد حنبل نے کتاب زیادات مسند میں اور حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے کتاب مستدرک میں اسی حدیث کو لکھا ہے۔ اور نیز شیخ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی نے کتاب ینابیع المودہ میں بسند کتاب مناقب روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا لا تخلوا الارض منهم ولو خلت لانساخت یعنی نہیں خالی رہتی زمین میرے اہلبیت سے اگر خالی ہو جاوے تو ضرور ہلاک ہو جاوے۔ اور حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں امام زین العابدین سے روائت کیا ہے کہ فرمایا ولولا ما علی الارض منا لانساخت باهلها یعنی اگر ہم اہلبیت میں سے کوئی زمین پر نہ ہووے تو البتہ ہلاک اور غرق ہو جاوے بمعہ اہل زمین کے اور شیخ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی نے کتاب ینابیع المودہ میں بیان کیا ہے کہ قال احمد ان اللہ خفق الارض من اجل النبی فجعل دوامها بدوام اهل بیته وعترته یعنی فرمایا امام احمد حنبل نے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حرکت دیا زمین کو (یعنی پیدا کیا) واسطے نبی کے پس گردانا زمین کے ہمیشہ رہنے کو اس کی اہلبیت کے ہمیشہ رہنے کے ساتھ۔ اور حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں بسند خود از امام جعفر صادق اور انہوں نے بہ سند آبائے خود امام علی ابن حسین علیہما السلام سے روایت کیا ہے قال نحن ائمة المسلمین وحجج اللہ علی العالمین وسادة المومنین وقادة الغر المحجلین وموالی المسلمین ونحن امان لاهل الارض کما ان النجوم امان لاهل السماء ونحن الذین بنا تمسك السماء ان تقع علی الارض الا باذن اللہ وبنا ینزل الغیث وتنتشر الرحمة وتخرج برکات الارض ولولا ما علی الارض منا لانساخت باهلها ثم قال ولم تخل الارض منذ خلق اللہ ادم علیه السلام من حجة اللہ فیها ظاهر مشهورا او غائب مستور

ولا تخلوا الی ان تقوم الساعۃ من حجۃ فیہا ولولا ذٰلک لم یعبد اللّٰہ قال الاعمش قلت الجعفر الصادق رضی اللّٰہ عنہ کیف ینتفع الناس بالحجۃ الغائب المستور قال کما ینتفعون بالشمس اذا ستر ھا سحاب۔ یعنی فرمایا امام علی بن حسین علیہما السلام نے کہ ہم امام مسلمانوں کے ہیں اور حجتہائے خدا ہیں۔ اہل عالم پر اور سردار مومنوں کے ہیں اور پیشوا سفید پیشانیوں و ہاتھ و پاؤں والوں کے یعنی نمازیوں کے اور ہم مولا ہیں مسلمانوں کے اور امان اہل زمین ہیں جیسا کہ ستارے امان اہل آسمان ہیں اور ہم وہ ہیں کہ آسمان ہمارے باعث زمین پر گرنے سے باز رہتے ہیں۔ مگر باذن خدا۔ اور ہمارے باعث نزول باراں اور نشر رحمت ہوتا ہے اور برکات زمین سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم میں سے کوئی زمین پر نہ ہو تو البتہ زمیں بمعہ اہل زمین کے غرق اور ہلاک ہو جاوے۔ بعد ازاں فرمایا کہ خالی نہیں رہتی زمین حجت خدا سے۔ جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ خواہ وہ حجت الٰہی ظاہر مشہور ہو یا غائب مستور۔ اور نہیں خالی ہوگی زمین قیامت تک حجت الٰہی سے اگر خالی ہو جاوے تو خدا کی عبادت نہ ہو زمین پر۔ اعمش کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا امام جعفر الصادق کی خدمت میں کہ حجت غائب مستور سے لوگ کیونکر منتفع ہو سکتے ہیں۔ تو فرمایا جیسے کہ آفتاب سے منتفع ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ بادل کے نیچے آجاتا ہے۔ انتہیٰ ترجمہ حدیث ان احادیث فریقین سے صاف ظاہر ہو گیا کہ زمین و ما فیہا وجود امام سے قائم ہے۔ پس

---

[1] اکثر لوگ یا تو خوف عذاب سے عبادت کرتے ہیں یا امید ثواب سے۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو عبادت کو خالصًا عبادت کی خاطر بغیر کسی خوف یا امید کے بجالاتے ہیں۔ اگر نبی یا امام سے کوئی زمانہ خالی رہنا فرض کیا جائے تو اس زمانہ کے سب لوگ بوجہ عدم اتمام حجت معذب نہیں ہو سکتے۔ پس خوف عذاب نہ رہا۔ جب خوف عذاب نہ ہو تو امید ثواب بھی معدوم ہو جائے گی اور دین میں تصرف ہو کر مدعیان کذاب کے تحریفات سے کذب اور حق مخلوط ہو جائینگے۔ پس لوگوں کے دل دین سے غیر مطمئن ہو کر انکے وعدوں پر اعتماد نہ رکھینگے۔ پس امید ثواب کی تحریک بھی منقطع ہوئی اور جب خالص دین حق کا وجود ہی نہ رہا تو عابدان مخلص بھی نہ رہینگے۔ پس اگر نبی یا امام سے زمانہ خالی ہو تو عبادت خدا مسدود ہو جائیگی۔ واللہ اعلم بالصواب خاکسار حامد علی

امام کا ہر وقت موجود ہونا ضروری ہے

دلیل دوم

قاعدہ امکان اشرف

قاعدہ امکان اشرف دلالت کرتا ہے کہ امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا لازمی ہے۔ یہ قاعدہ فیلسوف اول حکیم عظیم ارسطاطالیس سے موروث ہے۔ مفاد اس قاعدہ کا یہ ہے کہ واجب ہے کہ ممکن اشرف مراتب وجود میں ممکن اخس سے اقدم ہو۔ یعنی سلسلہ موجودات میں اشرف موجودات مقدم تر ہو۔ یا یوں کہو کہ جب ممکنات کا سلسلہ موجود ہو تو واجب ہے کہ اشرف ممکنات پہلے موجود ہو۔ یا بعبارۃ اُخرے جبکہ ممکن اخس موجود ہو تو لابد ہے کہ ممکن اشرف اس سے پہلے موجود ہو گیا ہو۔ اور یہ قاعدہ ایک اصل شریف برہانی ہے جو عظیم المجد و کریم المود کثیر الفوائد متوفر المنافع جلیل الخیرات والبرکات ہے۔ قد نفعنا اللہ بہ کثیراً بحمد اللہ وحسن توفیقہ

حاشیہ بر دلیل دوم۔ حکما کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ واحد جہت واحد مرتبہ واحد میں ایک ہی چیز صادر ہوتی ہے چونکہ اللہ تعالے واحد حقیقی ہے کہ جس میں جہات متعددہ نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے لابد ہے کہ اس سے ایک ہی چیز صادر ہو۔ کیونکہ اگر متعدد چیزیں صادر ہوں تو انکے لئے متعدد خصوصیات اور ارادے ہونے لازمی ہیں حالانکہ ارادہ اسکی عین ذات ہے جو واحد ہے پس ثابت ہو گیا کہ خدا سے ایک ہی چیز صادر ہوئی ہے۔ اس صادر اول کو عقل اول کہتے ہیں۔ اور وہی ہے نور محمدؐ و آئمہ کا۔ وہ چونکہ واجب الوجود سے بلا واسطہ صادر ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اشرف و اکمل موجودات ہے اور اپنے ہر ایک کمال میں بالفعل ہے۔ وہ آئینہ تجلیات ربانی مخزن علوم یزدانی مظہر قدرتہائے سبحانی ہے۔ اس میں چونکہ تعدد جہات بباعث مجعولیت کے آگیا۔ اس لئے اس سے دو چیزیں یعنی عقل ثانی اور فلک الافلاک صادر ہوئے۔ اور اس حیثیت سے کہ بواسطہ عقل اول تصور علوم عقل ثانی کو ہوا اسکو قلم اور عقل ثانی کو لوح کہتے ہیں اور عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک دوم صادر ہوئے۔ اسی ترتیب پر عقل عاشر

بقیہ حاشیہ دیکھو اگلے صفحہ پر

اس قاعدہ کو معلم اول فیلسوف اعظم نے کتاب اثولوجیا یعنی معرفت الربوبیۃ میں اور کتاب سماء و عالم میں اکثر استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ یجب ان یعتقد فی العلویات ما هو اکرم یعنی واجب ہے یہ کہ اعتقاد کیا جاوے علویات میں اس چیز کا جو اکرم ہے یعنی علویات میں بھی اشرف علویات موجود ہے۔ اور ایسا ہی شیخ الرئیس نے کتاب شفا اور تعلیقات میں اس قاعدہ کو اکثر استعمال فرمایا ہے اور کل کتب اور رسائل میں اسی قاعدہ پر نظام موجودات کی ترتیب اور ہر دو سلسلہ یعنی بدو اور عود کے بیان کی بنا رکھی ہے۔ اور شیخ الاشراق نے اپنی کتب مثل مطارحات۔ تلویحات۔ حکمۃ الاشراق۔ الواح عمادیہ۔ ہیاکل نوریہ۔ ہر دو رسالہ ہائے فارسی مسمی بہ یزدان بخش۔ اور پرتو نامہ ہیں اس قاعدہ کی تاسیس میں بڑا امعان فرمایا ہے۔ اور اس قاعدہ کو اثبات عقول اور اثبات مثل نوریہ ارباب الانواع وغیر ذالک میں استعمال فرمایا ہے۔ اور محمد شہر وردی مورخ حکما نے کتاب شجرہ الہیہ میں اس قاعدہ کی شرح و بسط میں شیخ الاشراق کی تقلید فرما کے پوری تشریح فرمائی ہے ؞

برھان بر قاعدہ امکان اشرف

ہم بھی اس قاعدہ کے بیان میں برمحاذات کتب شیخ الاشراق عرض کرتے ہیں۔ کہ ممکن اخس جبکہ جانب باری تعؔ سے موجود ہو۔ پس واجب ہے کہ ممکن اشرف اس سے پہلے موجود ہو۔ کیونکہ (۱) اگر پہلے موجود نہ ہوگا تو لازم آئیگا کہ واجب الوجود سے لذاتہ مرتبہ واحدہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اور فلک قمر تک نوبت پہنچی جس میں جہات لاتعد ولاتحصی ہو جانیسے اس سے عالم کون و فساد کا ظہور ہوا۔ اور چونکہ نفوس انسانی متوجہ بکمال ہیں۔ پھر وہ مستکملاً ترقی کرتے ہیں اور انکی غایت حرکت استکمال انسان کامل ہے جو ایک ظہور ہے عقل اول یا نور نبی و آئمہ کا۔ اس سلسلہ کو جو عقل اول سے شروع ہو کر مادہ تک منتہی ہوتا ہے۔ سلسلہ یا قوس نزولی اور اس سلسلہ کو جو مادہ سے لے کر انسان کامل تک ختم ہوتا ہے سلسلہ یا قوس صعودی کہتے ہیں گویا ہر دو قوسیں کا منتہی عقل اول یا نور نبی و آئمہ ؑ ہے اسیواسطے آپ کو صاحب قاب قوسین کہا گیا ہے۔ فقط خاکسار خادم علی

ہیں جہت واحد سے دو چیزیں صادر ہوں۔ ایک اشرف اور ایک اخس۔ اور یہ باتفاق حکمائے متقدمین و متاخرین محال ہے اور (۲) اگر ممکن اشرف ممکن اخس سے بعد موجود ہوگا۔ اور بواسطہ اس کے موجود ہوگا تو لازم آئیگا۔ کہ معلول اپنی علت سے اشرف ہو۔ اور (۳) اگر ممکن اشرف کا صدور ہی جائز نہ ہو مع الاخس نہ بعد از اخس نہ قبل از اخس کما ہو المعروض۔ باوجودیکہ ممکن ہے۔ حالانکہ فرض تحقق ممکن سے محال لازم نہیں آتا۔ اگر محال لازم بھی آوے تو اسباب خارجہ از ذات ممکن و ذات موجد ممکن کی وجہ سے لازم آئیگا۔ ورنہ وہ ممکن ہی نہ ہوگا۔ حالانکہ ہم ممکن فرض کر چکے ہیں۔ اور جبکہ ہم وجود ممکن اشرف کا فرض کر چکے ہیں اور یہ بھی فرض کر چکے ہیں کہ وہ صادر از واجب الوجود نہیں ہے۔ نہ قبل الاخس نہ مع الاخس نہ بعد الاخس نہ بلا واسطہ اور نہ بواسطۂ معلولاتِ دیگر۔ تو ضروری ہے کہ اس کا وجود کسی ایسی جہت مقتضیہ کا مستدعی ہو جو صادر اول کی علت یعنی واجب الوجود سے اشرف اور اعلیٰ ہو۔ اور یہ محال ہے کیونکہ واجب الوجود فوق مالا یتناہی بمالا یتناہی ہے اور شارح حکمت الاشراق نے اس برہان کو اس طور پر تقریر کیا ہے کہ اگر ممکن اخس پایا جاوے اور ممکن اشرف قبل ازاں نہ پایا گیا ہو تو (۱) خلاف مفروض لازم آویگا یا (۲) جواز صدور کثیر از واحد لازم آویگا یا (۳) جواز صدور اشرف از اخس لازم آویگا یا (۴) وجود نور الانوار سے کسی اشرف جہت کا موجود ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ اگر اخس کا وجود بواسطہ اشرف ہو تو محال اوّل لازم آئیگا۔ اور اگر بدون واسطہ ہوگا اور اشرف کا صدور بھی واجب الوجود سے جائز ہوگا تو محال ثانی لازم آئیگا اور اگر اشرف کا صدور اپنے معلول سے جائز ہوگا تو محال ثالث لازم آئیگا اور اگر اشرف کا صدور نہ واجب الوجود سے جائز ہوگا اور نہ اپنے معلول سے تو محال رابع لازم آئیگا اور جبکہ بہ تقدیر وجود اخس با عدم وجود اشرف قبل ازاں (یعنی یہ فرض کر لینے میں کہ اشرف کی ہستی اخس کی ہستی سے پہلے نہیں ہے) یہ سب اقسام و شقوق باطل ہوئے تو یہ تقدیر شرط بھی باطل ہے اور اس تقدیر کے بطلان سے شرطیہ مذکورہ یعنی قاعدہ امکان اشرف کا صدق لازم آیا۔

کیونکہ واجب الوجود سے کوئی شے اشرف نہیں ہے پس محال ہے کہ واجب الوجود سے ممکن اشرف کا وجود متخلف ہو۔ اور واجب ہے کہ وہ (ممکن اشرف) دیگر ممکنات سے اقرب بواجب الوجود ہو۔ اور واجب ہے کہ اشرف اور اخس کے درمیاں مراتب مختلفہ ہوں۔ اور وہ اشرف فالاشرف از مراتب علل و معلومات ہیں من غیر ان یصدر عن الاخس الاشرف بلکہ اس ترتیب پر کہ آخر مراتب تک اشرف سے اخس صادر ہوئے ہوں ؎

محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ ترتیب سلسلۂ موجودات کی واجب الوجود سے ابداً اسی طور پر ہوتی ہے کہ اشرف سے طرف اخس کے اور اعلیٰ سے طرف ادنی کے ہو۔ اور جو کوئی احوال موجودات میں نظر اور تامل کرے اور اس نسبت کو جو بعض کو طرف بعض کے ہے ملاحظہ کرے تو معلوم کر لیگا کہ ادنی اور نقص نہیں موجود ہوتا مگر بہ سبب اعلیٰ اور اکمل کے یعنی اعلیٰ ادنی کے واسطے سبب ذاتی ہوتا ہے اور اعلیٰ کو ادنی پر طبعی تقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ ادنی اور نقص کا وجود اعلی اور اشرف کے فیضان کے لئے مبدا اور مہیا کرنیوالا مادہ کا ہے۔ پس حیوان وجود نطفہ کے واسطے سبب ذاتی ہے اور نطفہ پر بہ تقدم ذاتی مقدم ہے۔ ایسا ہی نبات بذر اور تخم کے واسطے سبب ذاتی ہے اور اس پر بہ تقدم ذاتی مقدم ہے لیکن نطفہ ایک سبب معد ہے واسطے وجود حیوان کے اور حیوان پر بہ تقدم زمانی مقدم ہے نہ کہ بہ تقدم ذاتی۔ ایسا ہی بذر ایک سبب معد ہے۔ واسطے وجود نبات کے اور نبات پر بہ تقدم زمانی مقدم ہے نہ کہ بہ تقدم ذاتی بالجملہ۔ پس سلسلۂ ہدایت میں نوع اشرف نوع اخس

حاشیہ ۱۷۔ اگر علت موجود ہو اور علت کے موجود ہونے اور اس کے معلول کے موجود ہونے کے درمیان کچھ وقفہ آجائے تو وہ علت اس معلول کی علت تامہ نہیں ہوتی۔ علت تامہ کے لئے لازم ہے کہ اسکے وجود کیساتھ ہی اسکا معلول موجود ہو جائے پس ایسی حالت میں علت کو معلول پر زمانہ میں تقدم نہیں ہوتا صرف تقدم ذاتی ہوتا ہے کہ اگر علت ہوتی تو معلول نہ ہوتا۔ مثلاً اگر آنکھ میں انعکاس نور دیکھنے کے علت تامہ ہو تو جونہی کہ انعکاس نور ہوگا بلا وقفہ دیدنی اشیاء دیکھی جائینگی۔ تقدم زمانی کے یہ معنی ہیں کہ ایک شے جسکو مقدم کہیں موجود ہوا ور پھر کچھ وقفہ وقت کا ہو اور بعد ازاں وہ چیز جس پر شے مقدم کو تقدم ہے موجود ہو۔ فقط خاکسار خادم علی

پر متقدم ہے اگرچہ بعض اشخاص اخس کے بعض اشخاص اشرف پر بہ تقدم زمانی متقدم ہیں۔ جیسا کہ ہم نے نطفہ اور حیوان و بذر اور شجر کی مثال میں بیان کر دیا ہے ؞

اعتراضات برایں قاعدہ معہ جوابات

اعتراض اول۔ اگر کوئی کہے کہ امکان اشرف کا قاعدہ صرف ابداعیات میں کہ جو محتاج بمادہ نہیں ہیں مطرد ہو سکتا ہے۔ مگر مکونات زمانیہ میں جو عالم حرکات اور اضداد اور اتفاقیات میں واقع ہیں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مکونات زمانیہ یعنی مادیات میں اکثر اوقات مانع خارجی یا فقدان استعداد کے سبب ممکن اشرف پایا نہیں جاتا تو بہ جواب اس کے ہم کہتے ہیں کہ انواع وطبائع کلیہ کا حکم فی ذواتہا ابداعیات کا حکم ہے۔ کیونکہ نوع طبیعی مثل فلک یا انسان یا فرس وغیرہا کا افتقار بطرف استعداد خاص کے بالذات نہیں ہے۔ بلکہ بواسطہ لوازم عارضہ واحوال انفعالیہ کے ہے ؞

اعتراض دیگر۔ اگر کوئی کہے کہ اگر قاعدہ مذکورہ کا اجرائے مادیات میں مانا جاوے تو انسان اشرف ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ حجت وغیر حجت اور امام و رعیت کلہم نوع واحد سے ہیں۔ اور نوع واحد کے افراد متماثل ہوا کرتے ہیں۔ کسی کو دوسرے پر تقدم ذاتی نہیں ہوتا۔ اور کسی کو دوسرے سے علاقہ ذاتی یعنی علیت ومعلولیت کا علاقہ نہیں ہوتا۔ تو ہم بہ جواب اس کے کہتے ہیں کہ افراد انسانی کے درمیان ہرگز مماثلث نہیں ہے اور یہ مماثلث جو مشاہدہ میں آ رہی ہے یہ بہ حسب مادہ بدنیہ اور نشاء طبیعیہ کے ہے قبل اس کے کہ نفوس ساذجہ ہیولانیہ ملکات اور اخلاق فاضلہ یا رذیلہ کو حاصل کر کے قوت سے فعل کی طرف خارج ہوئے ہوں اور بحسب نشاء روحانیہ وہ در تحت نوع کثیرہ لاتعد ولاتحصی واقع ہیں۔ اور قول باریتعالیٰ انما انا بشر مثلکم باعتبار نشاء طبیعیہ کے ہے نہ کہ باعتبار نشاء روحانیہ کے۔ پس نوع نبی وامام نوع عالی وشریف ہے۔ اور سارا انواع فلکیہ اور عنصریہ سے اشرف ہے۔ پس نوع امام کو مرتبہ

وجود میں سائر البشر کی طرف ایسی نسبت ہے جیسی کہ انسان کو طرف حیوانات کے اور حیوان کو طرف نبات کے اور نبات کو طرف جماد کے۔ اور طرف اسی کے اشارہ ہے قول خدا تعالےٰ[1] میں جہاں انسان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے وخلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی پیدا کیا واسطے تمہارے تمام جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ کیونکہ انسان اشرف اکوان ارضیہ ہے۔ پس وہ کائنات کے خلق اور وجود کے واسطے سبب اور غایت ذاتیہ ہے۔ پس اگر انسان زمین سے اٹھایا جاوے تو کل کائنات مرتفع ہو جاویں۔ ایسا ہی اگر امام زمین سے اٹھایا جاوے تو سب لوگ ہلاک ہو جاویں۔ اور اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو محمد بن یعقوب کلینی نے بسند خود حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت فرمائی ہے لولم یبق فی الارض الا اثنان لکان احدھما الحجتہ یعنی اگر نہ باقی رہیں زمین میں سوائے دو آدمیوں کے تو اُن دونوں میں سے ایک ضرور امام ہوگا۔

بیان اس امر کا کہ ممکن اشرف محمدؐ و آئمہ اہلبیت ہیں

جاننا چاہیے کہ نور محمدی اقرب مخلوقات و اول مجعولات ہے طرف حق اول کے۔ اور اعظم و اتم موجودات ہے اور موجودیت[2] میں ثانی موجودات ہے اور یہی مراد ہے ان اقوال کی جو احادیث نبویہ میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت[3] میں آپ کا قول ہے اول ما خلق اللہ

---

[1] بایں ہمہ زمین وما فیہا کے وارثان حقیقی بموجب قول خدا تعالیٰ فقط بندگان صالح و برگزیدگان یعنی آئمہ ہیں۔ بنا بریں کہ سوائے معصوم کے اور کوئی اس قابل نہیں کہ جسے خدا صالح کہے کیونکہ جسے خدا نے صالح کر دیا تو ناممکن ہے کہ اس سے خلاف صالحیت یعنی خطا صادر ہو اور یہی تعریف معصوم کی ہے۔ اور معصوم سوائے آئمہ و انبیاء کے اور کوئی نہیں فقط خاکسار خادم علی

[2] موجود اول واجب الوجود اور موجود ثانی نور محمدی ؂

[3] اور نیز خطبہ یوم غدیر میں آپنے فرمایا (ترجمہ) میں ہی آغاز کرنیوالا ہوں اور میں ہی انتہا پر پہنچا دینے والا ہوں اور سوائے ذات اقدس الٰہی کے کسی ذریعہ سے قوت حاصل نہیں ہو سکتی اور نیز اسی خطبہ میں فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے اور میرے اہلبیت کو ایک طینت سے بنایا ہے اور اس سے سوائے میرے اہلبیت کے کسی غیر کو پیدا نہیں کیا۔ ہم اول وہ لوگ ہیں۔ کہ جنکی سب سے پہلے پیدائش ہوئی۔ جب خدا ہمیں پیدا کر چکا تو ہمارے نور سے تاریکی کو روشن کر دیا اور پھر ہر ایک طینت کو زندہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ بہترین افراد امت اور حاملان علم اور خازنان اسرار میرے ہیں الخ فقط خاکسار خادم علی

العقل یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ عقل ہے اور ایک روایت میں ہے اول ما خلق اللہ نوری یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے اور ایک روایت میں ہے اول ماخلق اللہ روحی یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ میری روح ہے اور ایک روائیت میں ہے اول ماخلق اللہ القلم یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ قلم ہے اور ایک روائیت میں ہے اول ماخلق اللہ ملک کروبی یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ ملک کروبی ہے۔ واضح ہو کہ یہ سب اوصاف اور نعوت شئے واحد کے ہیں باعتبارات مختلفہ۔ پس وہ شے باعتبار ہر صفت کے ایک اسم سے مسمّی ہے۔ اگرچہ اسما تو کثیرہ ہیں لیکن مسمی واحد ہے ذاتاً و وجوداً۔ لیکن اس چیز کی ذات اور ماہیت جوہر ہے۔ کہ جس کو اجسام سے بوجہ من الوجوہ علاقہ نہیں ہے نہ وجوداً مثل اعراض کے۔ اور نہ فعلاً و تصرفاً مثل نفوس کے۔ اور نہ بجزئیت و امتزاج مثل مادہ اور صورت کے ❊

بالجملہ مجعولات جوہریہ تین قسم پر ہیں۔ اور درجات وجود میں متفاوت ہیں:۔

اوّل اور اعلیٰ مجعولات سے وہ ہے۔ جس کو سوائے ذلت خالق کے اور کسی کی طرف احتیاج اور افتقار نہ ہو۔ اور ماسوائے خدا کے اس کو اور کسی کی طرف نظر اور التفات نہ ہو اور **دوم** جواہر سے وہ ہے۔ جو اصل وجود میں سوائے خدا کے اور کسی کی طرف محتاج نہ ہو۔ لیکن استکمال وجود میں غیر کا محتاج ہو۔ اور **سوم** جواہر سے وہ ہے جو اصل وجود میں بھی غیر کا محتاج ہو اور استکمال[1] میں بھی جوہر اوّل عقل ہے اور دوّم نفس اور سوّم جسم یا جزو جسم۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ بسیطۃ الحقیقت۔ عالم۔ قادر۔ جواد۔ رحیم۔ ذوالفضیلۃ العظیمہ۔ وقوۃ شدیدہ وقدرۃ غیر متناہیہ۔ وصاحب کمالات وفضائل وخیرات ہے۔ اور اس کی رحمت اور جود کی نسبت یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے فیض اور رحمت سے امساک کرے۔ پس لابد ہے کہ اس سے مخلوقات نظام افضل اور ترتیب اجود پر فائض ہوں اور لازم ہے کہ اس کا فیضان بہ اشرف فالاشرف شروع ہو جیسا کہ قاعدہ امکان اشرف دلالت کرتا ہے۔

[1] طلب کی کمال ہستی ❊

اور اس میں شک نہیں ہے کہ اشرف ممکنات اور اکرم مجعولات عقل ہے اور اسے قلم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ الواح نفسانیہ قضائیہ و قدریہ پر علوم اور حقائق کے تصویر ہونے میں واسطہ ہے اور چونکہ وہ اس مرتبہ میں ظلمت تجسم و تحجب سے اور ظلمات نقائص و اعدام سے خالص ہے اس لئے وہ مسمی بہ نور ہے اور چونکہ وہ نفوس علویہ اور سفلیہ کی اصل حیات ہے اس لئے مسمی بہ روح ہے اور وہی ہے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ جو وجود حضرت کا مرتبہ کمال ہے اور اسی سے سلسلۂ کائنات شروع ہوتا ہے اور اسی کی طرف عود کرتا ہے چنانچہ خود[1] جناب سرور کائنات سے مروی ہے نحن الاخرون السابقون یعنی ہم ہیں سب سے آخر اور سب سے اول۔ بایں معنی کہ باعتبار خروج اور ظہور کے تو آخر ہیں۔ مثل ثمر کے اور باعتبار خلق اور وجود کے اول ہیں مثل بذر کے پس وہ حضرت بذر ہیں شجر عالم کے اور چونکہ احادیث نبویہ سے جو کتب[2] فریقین میں وارد ہیں ثابت ہوتا ہے۔ کہ نور محمدی اور نور آئمہ اثنا عشر ایک ہی نور ہے اور حقیقت میں وہ نور واحد ہیں۔ اس لئے حضرت نے حدیث مذکورہ میں لفظ نحن (ہم) فرمایا ہے۔ اور نیز آنحضرت سے مروی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بك اعرف وبك اٰخذ وبك اعطی وبك اعاقب وبك اثیب یعنی یا محمدؐ میں تیرے ساتھ ہی پہچانا چاہتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی پکڑتا ہوں۔ اور تیرے ساتھ ہی عطا کرتا ہوں۔ اور تیرے ساتھ ہی عذاب کرتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی ثواب دیتا ہوں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کا حال و مرتبہ ہے (سبحان اللہ) کیونکہ جس نے نبی کو بہ نبوت اور رسالت نہیں پہچانا۔ اس نے خدا کو کما ینبغی نہیں پہچانا۔ اگرچہ اس کے پاس معرفت

---

[1] چنانچہ خطبہ یوم غدیر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں (ترجمہ) میں ہی آغاز کرنے والا ہوں اور میں ہی انتہا پر پہنچا دینے والا ہوں۔ بعدازاں فرماتے ہیں کہ (آنحضرت واہلبیت) ہم اول وہ لوگ ہیں کہ جنکی سب سے پہلے خلقت ہوئی۔ جب خدا ہمیں پیدا کر چکا تو ہمارے نور سے تاریکی کو روشن کر دیا ۱۲۔ خاکسار خادم علی

[2] تفصیل کے لئے عبقات الانوار حدیث نور کی جلد دیکھو فقط

الٰہی پر ہزار دلیل ہو۔پس معنی یہ ہونگے کہ بک اعرف یعنی جس نے پہچانا تجھے ساتھ نبوت کے اس نے پہچانا مجھے ساتھ ربوبیت کے۔ اور بک آخذ یعنی میں اس کی اطاعت کو قبول کروں گا جس نے تجھ سے تعلیم حاصل کی اور بک اعطی یعنی تیری شفاعت سے اہل درجات کو درجہ دونگا۔جیساکہ حضرت نے فرمایا ہے الناس یحتاجون الی شفاعتی حتی ابراھیم یعنی لوگ میری شفاعت کے محتاج ہوں گے۔حتی کہ ابراہیم بھی۔ اور قولہ بک اعاقب وبک اثیب اس کے معنی اس طرح پر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے روز میثاق میں ہر ایک نبی سے عہد لیا کہ وہ محمد اور آل محمد علیہم السلام پر ایمان لاوے اور اس نبی کی امت سے عہد لیا کہ آنحضرت پر ایمان لانے اور نصرت دین آنحضرت پر راضی ہوں۔پس جو شخص امم ماضیہ اور غابرہ میں سے حضرت اور حضرت کی آل پر قبل انکی بعثت کے ایمان لائے وہ اہل ثواب سے ہیں اور جو نہیں ایمان لائے اولین وآخرین میں سے وہ اہل عقاب سے ہیں۔ ان احادیث سے بھی ثابت ہوا کہ امام اور نبی شجرۂ عالم کے بذر اور تخم ہیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ قول خدائےتعالیٰ میں کہ فرمایا ہے وکل شیئ احصیناہ فی امام مبین وہ اول بھی ہیں اور آخر بھی ہیں اور ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں۔ اور عرفائے کاملین نے ان معانی کو بالصراحت بیان فرمایا ہے۔چنانچہ **فاضل وعارف کامل ملا محسن فیض** فرماتے ہیں ان الانسان الکامل لہ الاولیتہ والاخریتہ والظاہریتہ والباطنیتہ والعبودیتہ والربوبیتہ اما الاولیتہ فظاہر مما اسلفنا والیہ الاشارہ بقولہ صلی اللہ علیہ والہ اول ماخلق اللہ نوری او روحی مع انہ بالقصد والرتبتہ ایضًا واما الاخریتہ فلانہ اخر مراتب الوجود فی سلسلتہ العود واخر مایظہر من الموجودات فی الخارج واما الظاہریتہ فبالجسم والخلق واما الباطنیتہ فبالروح والامر واما العبودیتہ فبالحاجت والحدوث والمربوبیت واحتمال التکالیف والاذی واما الربوبیتہ فللنربیتہ لافراد العالم کلہا بالخلافتہ الالہیتہ والنشاء الروحانیتہ فانہ یاخذ

من جہت الروحانیۃ عن اللہ سبحانہ ما یطلبہ الرعایا ویبلغہ بجہت الجسمانیۃ الیہم وبھا تین الجہتین تیم امر الخلافۃ۔ ترجمہ[1] اس عبارت کا بطور خلاصہ یہ ہے کہ انسان کامل اول بھی ہوتا ہے اور آخر بھی ہوتا ہے۔ ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی ہوتا ہے۔ بندہ بھی ہوتا ہے اور رب بھی ہوتا ہے۔ بعد ازاں ان شش مراتب کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ

اولیت۔ پس وہ (۱) اس سے ظاہر ہے جو پیچھے بیان ہوا۔ (۲) نیز اسی کی طرف اشارہ ہے قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ میں کہ خدا نے سب سے پہلے جو پیدا کیا وہ میرا نور یا میری روح ہے اور (۳) نیز انسان کامل باعتبار رتبہ اور قصد کے بھی اول ہے ؎

آخریت۔ پس وہ اس واسطے ہے کہ (۱) انسان کامل آخر مراتب وجود ہے سلسلہ[2] عود میں اور (۲) آخر ہے اس شے سے جو کہ موجودات سے خارج میں ظاہر ہوتی ہے ؎

ظاہریت۔ پس وہ باعتبار انسان کامل کے جسم اور خلق کے ہے ؎

باطنیت۔ پس وہ باعتبار اس کے روح اور امر کے ہے ؎

عبودیت۔ پس وہ باعتبار انسان کامل کی احتیاج اور حدوث اور مربوبیت اور برداشت تکالیف اور اذیت کے ہے ؎

ربوبیت۔ پس وہ باعتبار تربیت تمام افراد عالم کے ہے جو کہ انسان کامل ان پر اپنی خلافت ہونے اور نشاء روحانیہ کے واسطے سے کرتا ہے۔ پس وہ روحانیت کی جہت سے حق سبحانہ سے وہ چیز لیتا ہے کہ جس کی رعایا کو طلب ہوتی ہے اور جسمانیت کی جہت سے اس کو انکی طرف پہنچا دیتا ہے۔ اور ان دو جہتوں سے اس کا امر خلافت تمام

---

[1] یہ ترجمہ جناب مصنف مدظلہ نے نہیں کیا۔ خاکسار نے کیا ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو تو ناظرین سے سوائے اصلاح امید عفو بھی ہے فقط خاکسار خادم علی

[2] یعنی سلسلہ یا قوس صعودی دیکھو حاشیہ اول بر دلیل ہذا فقط خاکسار خادم علی ؎

ہوتا ہے۔ انتہی۔

اس بیان سے بھی امام کا اشرف مخلوقات ہونا ثابت ہوا۔ پس بموجب قاعدہ مذکورہ کے واجب ہے کہ وہ ہر زمانہ میں موجود ہو۔

شبہ معہ جواب۔ اگر یہ توہم ہو کہ سرور کائنات اور آئمہ معصومین تو عالم مادیات سے تھے۔ کیونکہ وہ عقل اول ہو سکتے ہیں۔ تو ہم اس کے رفع کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ کہ انکے ظہورات اور اکوان اور وجودات مختلفہ تھے۔ ظہور اور کون اول میں تو عقل اول تھے۔ اور ظہور ادنی میں وہ مثل بشر تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما انا الا بشر مثلکم یہ نہیں فرمایا کہ بشر منکم[1] یعنی تم میں سے ایک بشر ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ مثل تمہارے ایک بشر ہوں۔ اس لئے کہ بشر حقیقی وہ ہے کہ جس کی روح کو بدن سے علاقہ ذاتیہ ہو۔ اور نبی اور امام کے نفس کو بدن سے تعلق ذاتی نہیں ہوتا بلکہ تعلق عرضی خارجی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بشر حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ مثل بشر ہیں حقیقت میں تو وہ عقل محض ہیں۔ مگر متنزل ہو کر متعلق بہ بدن ہوتے ہیں اور با وجود تعلق بدن کے وہ مراتب اصلیہ ان سے زائل نہیں ہوتے تعلق بدنی ان کا اختیاری ہے جس وقت چاہیں اس سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ گویا بدن انکا انکے لئے مثل چادر کے ہے۔ اور انسان جس وقت چاہے چادر اتار دیتا ہے اور جس وقت چاہے پہن لیتا ہے۔ ایسا ہی امام یا نبی جب چاہیں مجرد ہو سکتے ہیں اور جب چاہیں مادی ہو جاتے ہیں۔

---

[1] پیچھے کسی حاشیہ میں بہ تفسیر آیۃ اطیعوا اللہ لفظ منکم کے معانی پر نظر کی گئی ہے۔ لہذا اس خیال سے کہ شاید کسی کو عبارت موجودہ کے ملاحظہ سے اشتباہ اختلاف نہ ہو یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ اس جگہ بھی اولی الامر منکم ہے نہ کہ بشر منکم جس کے معنی ہیں کہ ایسا اولی الامر جو باعتبار صورت نوع انسان کی تحت میں داخل ہو۔ فقط خاکسار خادم علی

بیان اس امر کا کہ امام میں دو جہتیں ہیں الوہیت اور بشریت

بعبارۃ اخری ہم ایضاح کے واسطے بیان کرتے ہیں کہ انسان کامل کے تین اجزا ہیں طبیعت اور نفس اور عقل اور اس کو روح بھی کہا جا سکتا ہے اور ان اجزائے ثلاثہ میں سے ہر ایک جزو ایک عالم میں ہے۔ یعنی انسان کامل کے اکوان مختلفہ ہیں اور ہر ایک کون اور مرتبہ میں وہ ایک اسم کے ساتھ مسمی ہے اور کم وہ انسان ہے جو کہ تمام کمالات کا واجد ہو۔ اور جبکہ تمام کمالات کا واجد ہو جاوے خصوصاً امانت الٰہی کا حامل ہو۔ یعنی صاحب شریعت ہو جاوے تو اس وقت گویا وہ رب انسانی یا انسان ربانی ہوتا ہے کہ واجب ہے اطاعت اس کی بعد اطاعت الٰہی کے۔ چنانچہ صدر الحکما والمتالھین فرماتے ہیں یکون مع البشریتہ متمیزاً عن سائر الناس بامور قدسیہ وکرامات الٰھیتہ فیکون ذاوجھین وجہ الی التقدس والالوھیتہ ووجہ الی التجسم والبشریتہ فیکون انسانا ربانیا او ربا انسانیا تکاد تحل عبادتہ بعد طاعۃ اللہ وھو خلیفۃ اللہ فی العالم الارضی۔ یعنی نبی یا امام باوجود بشریت کے تمام لوگوں سے متمیز ہوتا ہے ساتھ امور قدسیہ اور کرامات الٰہیہ کے۔ پس ہوتا ہے وہ صاحب دو جہتوں کا ایک جہت تقدس اور الوہیت کی اور دوسری جہت تجسم اور بشریت کی پس ہوتا ہے وہ انسان ربانی یا رب انسانی قریب ہے کہ حلال ہو عبادت اس کی بعد طاعت خدا کے اور وہ خلیفۃ اللہ ہے عالم ارضی میں۔ چنانچہ **ملا محسن فیض** دربیان اطاعت خلائق برائے انسان کامل فرماتے ہیں۔ ان اللہ جعل الارض لوجود الانسان الکامل بمنزلۃ امام یجتمع عندہ الخلائق من البسائط والمرکبات والکائنات العنصریتہ والاثار السماویتہ وقبائل من الملائکۃ وجنود مجندۃ من عالم الغیب لیعتدل باجتماعھا احوالہ۔ وجعل ضوء الشمس ونور القمر ساجدین علی بابھا واللیل

والنهار دائبین بہا طائعین علی ساحتہا واطرافہا وکذالک جعل الماء والھواء عاکفین علی سطحہا دائرین حولہا وکذالک جعل الکواکب من جھتہ وقوع اشعتہا بمنزلۃ من یہوی براسہ الی التحت للسجود وکذالک النباتات بحسب وضعہا الطبیعی الانتکاسی بمنزلۃ من یضع راسہ علی البساط للسجود والنجم والشجر یسجدان وکذالک حال الحیوانات فی انکبابہا علی الارض وخضوعہا کل ذالک لاجل وجوہ خلیفۃ اللہ فی ھذہ الارض وامام الناس وقطب العالم کما قال تعالی انی جاعل فی الارض خلیفہ واذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشرا من صلصال من حماء مسنون فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعولہ ساجدین فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس ابی ان یکون من الساجدین ترجمہ[۱]۔ بطور خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کامل کے ہونے کے باعث زمین کو بمنزلہ امام کے بنادیا ہے کہ جس کے نزدیک جمع ہوتی ہیں خلائق از بسائط اور مرکبات۔ اور کائنات عنصریہ۔ اور آثار سماویہ۔ اور قبائل ملائکہ اور لشکرہائے مجتمع عالم غیب سے اس لئے کہ انکے اجتماع کے باعث اس کے احوال اعتدال اختیار کریں۔ اور بنایا آفتاب کی روشنی اور چاند کی چاندنی کو اس کے دروازہ پر سجدہ کرنیوالے اور رات اور دن کو اس کے ہمراہ چلنے والے۔ اور اس کی ساحت واطراف پر اطاعت کرنیوالے۔ اور اسی طرح بنایا پانی اور ہوا کو اس کی سطح پر اس کے گرد پھرنے والے۔ اور اسی طرح بنایا ستاروں کو انکی شعاعوں کے پڑنے کی جہت سے مثل اس کے جو سجدہ کے لئے اپنے سر کے بل نیچے کی طرف جھکے اور اسی طرح بنایا نباتات کو بحسب انکی طبیعی وضع سرنگوں کے بمنزلہ اس کے جو اپنے سر کو فرش پر سجدہ کے واسطے رکھے۔ اور بیل بوٹے سجدہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح حال حیوانات کا ہے۔ انکے

[۱] یہ ترجمہ مصنف دام ظلہ نے نہیں کیا خاکسار نے کیا ہے اسلئے اگر کوئی غلطی ہو تو ماسوائے اصلاح کے امید عفو ہے فقط خاکسار خادم علی

سطحہا

خضوع اور زمین پر سرنگونی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ خلیفۃ اللہ اور امام الناس اور قطب عالم کا وجود اس زمین میں ہے اور جبکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کہا کہ میں بشر بنانے والا ہوں بجنے والی گندھی مٹی سے اور جب خدا تعالیٰ نے اسے پورا کر لیا۔ اور اس میں اپنی روح پھونکی تو پڑ گئے اس کے واسطے سجدہ کرتے ہوئے اور سجدہ کیا فرشتوں نے سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا انتہی۔ اور شیخ الرئیس بو علی سینا الہیات شفا کی فصل امامت میں فرماتے ہیں من اجتمعت لہ معہا الحکمۃ النظریۃ فقد سعد ومن فاز مع ذالک بالخواص النبویۃ کاد ان یصیر ربا انسانیا وکاد ان تحل عبادتہ بعد اللہ تعالیٰ وھو سلطان العالم الارض وخلیفۃ اللہ۔ یعنی جس کے واسطے باوجود عدالت کے حکمت نظریہ جمع ہو پس تحقیق وہ سعید ہوا۔ اور جو شخص کہ فائز ہوا باوجود حکمت نظریہ کے ساتھ خواص نبویہ کے وہ قریب ہے۔ کہ رب انسانی ہو جاوے اور قریب ہے کہ حلال ہو عبادت اس کی بعد خدا کے۔ اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جو کافی کلینی میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور منجملہ اس کے فقرات کے ایک یہ فقرہ ہے غیر مشارکین للناس علی مشارکتہم لہم فی الخلق والترکیب فی شیء من احوالہم قولہ شیء من احوالہم متعلق بغیر المشارکین لہم۔ یعنی آئمہ معصومین لوگوں کے ساتھ کسی احوال میں مشارک و مشابہ نہیں ہوتے۔ باوجود ان کی مشارکت کے لوگوں کے ساتھ خلق و ترکیب میں اجزائے مادیہ اور صوریہ سے۔ یہ فقرہ حدیث کا صاف دلالت کرتا ہے کہ امام دو جہتیں ہوتا ہے۔ ایک جہت تقدس اور الوہیت کی اور دوسری جہت تجسم اور بشریت کی جہت الوہیت میں تو کسی سے مشارک نہیں ہوتے اور جہت تجسم اور بشریت میں مشارک ہوتے ہیں۔ چونکہ انبیا اور آئمہ میں جہت تجسم عرضی خارجی ہوتی ہے نہ کہ ذاتی اس لئے جنبہ الوہیت

---

[۱] قولہ تعالیٰ لہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ ترجعون (سورہ آل عمران) ۱۲ منہ

ان میں غالب ہوتا ہے۔ اور عقول کا مرتبہ ان سے کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتا۔ اور
چونکہ انکی نوع انواع ملکیہ اور عنصریہ سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور ان میں جنبۂ الوہیت
غالب ہے جنبۂ تجسم و بشریت پر۔ لہذا مرور دہور و کرور شہور اور حرکات فلکیہ انکے جسم کو
(خود) کسی قسم کا تغیر نہیں دے سکتے۔ کیونکہ حرکات فلکیہ کا اپنے ماتحت میں اثر ہوتا ہے نہ
کہ اپنے مافوق میں۔ اور یہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ نبی یا امام واسطہ فی ایجاد عالم ہیں۔
اور ایجاد عالم کی علت غائی ہیں۔ اور متقدم و مافوق ہیں اس عالم پر۔ پس اعتراض طول
عمر کا امام صاحب الزمان کی نسبت جو کہ اس وقت سلطان عالم اور رب انسانی یا انسان
ربانی ہیں اور بقائے دنیا کا سبب ہیں مندفع ہو گیا والحمد للہ رب العالمین پس امام
صاحب الزمان جو کہ سلطان عالم ارضی ہیں باقی ہیں بقاء اللہ تعالیٰ۔ جب وہ دنیا سے
اٹھا لئے جائیں گے قیامت کبری قائم ہو جائے گی۔ جیسا کہ احادیث فریقین صریح طور
پر اسی پر دلالت کر رہی ہیں۔ لیکن لوگ بلادت اذہان کی وجہ سے نہیں سمجھتے فما
لھٰؤلاء القوم لا یفقھون حدیثا۔

دلیل سوم

رب النوع

عمارت عالم ارض وبقائے انواع در عالم ارض موقوف ہے وجود عالم ربانی پر یعنی تا وقتیکہ رب النوع موجود نہ ہو کوئی نوع باقی نہیں رہ سکتی - اس سے لازم آتا ہے کہ نبی یا امام جو رب النوع بلکہ رب الانواع ہے ہر وقت موجود ہو تاکہ انواع دنیا میں باقی رہیں - اور دنیا معمور و آباد رہے - اگر امام جو کہ رب النوع ہے کسی زمانہ میں موجود نہ ہو تو اس زمانہ میں کوئی نوع موجود نہ ہوگی - پس دنیا کی آبادی برہم ہو جاویگی *

اثبات ارباب الانواع باقوال حکماء الہیین معہ دلائل

حکیم الٰہی افلاطون اور اس کا استاد حکیم سقراط اپنے اکثر اقاویل میں ارباب الانواع کے قائل ہوئے ہیں چنانچہ افلاطون کتاب طیماؤس میں لکھتا ہے کہ موجودات کے واسطے صور مجردہ ہیں جو فاسد نہیں ہوتیں - اور جو فاسد ہوتی ہیں وہ موجودات کائنہ فاسدہ ہیں - اور شیخ الرئیس نے بھی الٰہیات شفا میں بیان فرمایا ہے کہ افلاطون الٰہی اور سقراط وغیرہا کا یہ مذہب ہے اور افلاطون اور سقراط نے اس مطلب کے بیان میں بڑا افراط کیا ہے بلکہ افلاطون قائل ہے کہ میں نے اپنی حالت تجرد میں ان کا مشاہدہ بھی کیا ہے - اور نیز یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ ہر ایک نوع پر جس قدر فیض الٰہی ہو رہا ہے وہ بذریعہ اس کے رب النوع کے ہو رہا ہے اور رب النوع انسانی رب الانواع ہے - کہ اس کا فیض تمام انواع پر جاری ہے - اور رب النوع انسانی

انسان کامل ہے عالم ابداع میں کہ وہ اصل اور مبدا ہے اور تمام افراد نوع اس کے فروع اور معالیل ہیں اور وہ اس نوع کا فرد کامل ہے وہ اپنے تمام اور کمال کی وجہ سے مادہ اور محل کا محتاج نہیں ہے اور معلوم ہے کہ افراد نوع کمال و نقصان میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ اور اسی بارہ میں کہ جس قدر فیض الہی ہو رہا ہے وہ ارباب الانواع یعنے انسان کامل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور انسان کامل تمام افراد نوع کی علت ہے اور افراد نوع اس کے معلول ہیں ملا محسن فیض فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ در آئینہ دل انسان کامل کہ خلیفہ اوست تجلی میکند و عکس انوار تجلیات از آئینہ دل او بر عالم فائض مے گردد۔ و بوصول فیض باقی مے ماند و تا این کامل در عالم باقیست استمداد مے کند از حق تجلیات ذاتیہ و رحمت رحمانیہ و رحیمیہ بواسطہ اسماء و صفاتے کہ این موجودات مظاہر و محل استوائے آنہاست۔ پس بدین استمداد فیضان تجلیات محفوظ مے ماند مادام کہ این انسان کامل در و بیست پس معنیٰ از معانی باطن بظاہر بیرون نیاید مگر بحکم او۔ و ہیچ چیز از ظاہر بباطن در نیاید مگر بامراد۔ و اگرچہ این کامل در حال غلبہ بشریت ندارد۔ شہو البرزخ بین البحرین والحاجز بین العالمین و الیہ اشار بقولہ تعالیٰ مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان ای کلاہما لا یلتبس احدہما بالآخر پس او یعنی انسان کامل ما بین ہر دو[1] سمندر برزخ یعنی شئے درمیانی است و ما بین ہر دو عالم حد فاصل است و بطرف ہمیں مطلب در قول او تعالیٰ اشارہ است کہ مے فرماید کہ ہر دو سمندر پیوستہ شدند ملاقات کنندگان و ما بین آنہا برزخ است از ہمدگر تجاوز نمے کنند یعنی از ینہا یکے دیگرے را نمے پوشانند) شعر جہاں را بلندی و پستی توئی۔ ندانم چہ ہر چہ ہستی توئی ❖

صنائع

و نیز کلام مولانا صادق علیہ السلام ما روی عنہ نحن[2] صنائع اللہ والناس بعد صنائع لنا

---

[1] یعنی الوہیت و بشریت فقط خاکسار خادم علی ❖

[2] یہ قول دلالت کرتا ہے آنحضرت کے عقل اول ہونے پر کہ کل موجودات ما بعد اسی واسطے سے صادر ہوئے ہیں فقط خاکسار خادم علی۔

(یعنی از جناب صادق علیہ السلام مروی است کہ مے فرماید کہ ما اہلبیت صنعتہائے خدا (یعنی مخلوق حسند ابلا واسطہ) ہستیم و دیگر مردماں صنعتہائے ما ہستند (یعنی مخلوق ما ہستند وخدائے تعالیٰ خالق آنہا بواسطۂ ما ہست)

وقال بعض العارفین لما رائت الحدید ۃ الحامیۃ تتشبہ بالنار وتفعل فعلها فلا تتعجب من نفس استشرقت واستضاءت واستنارت بنور الله فاطاعها الاکوان

(یعنی بعض عارفین گفتہ اند کہ وقتیکہ مے بینی آہن گرم راکہ ہم شکل آتش شدہ وفعل نار میکند پس تعجب مکن ازاں نفس کہ بنور خدا تعالیٰ نورانی وروشن وتابناک گشتہ۔ پس جملہ مجہولات ومخلوقات اطاعت او میکنند) انتہی کلام ملا محسن فیض *

اور حکیم ہرمس الہرامسہ یعنی حضرت ادریس سے منقول ہے کہ ان ذاتاً روحانیتہ القت الی المعارف فقلت من انت قال انی طباعک التام یعنی ذات روحانیہ نے مجھ کو معارف الہیۃ القا فرمائے۔ پس میں نے کہا کہ تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں تیری طباع تام ہوں یعنی رب النوع ہوں۔ اور شیخ الاشراق نے کتاب مطارحات میں فرمایا ہے۔

یجب ان یکون لکل نوع من الانواع البسیطۃ الفلکیۃ والعنصریۃ ومرکباتها النباتیۃ والحیوانیۃ عقل واحد مجرد عن المادۃ معین فی حق ذالک النوع وهو صاحب ذالک النوع وربہ یعنی لازم ہے کہ انواع بسیطہ فلکیہ وعنصریہ اور مرکبات نباتیہ وحیوانیہ میں سے ہر ایک نوع کے واسطے ایک عقل ہو جو مادہ سے مجرد ہو اور اس نوع کے حق میں اعانت کرنے والی ہو یعنی واسطہ فی الفیضان ہو اور وہ عقل اُس نوع کی صاحب ہے اور اس کی رب النوع ہے اور اسی کتاب میں رب النوع کے اثبات میں چند وجوہات سے استدلال فرمایا ہے اور ان وجوہات سے قاعدہ امکان اشرف بھی بیان فرمایا ہے۔ اور واضح ہو کہ یہ مسئلہ یعنی مسئلہ اثبات ارباب الانواع برہانی ہے۔ ارباب الانواع کے اثبات میں حکماء اور عرفاء نے

[1] خلاصہ مطالب عبارت عربی جو خطوط وحدانی میں ہے خاکسار نے کیا ہے ملا محسن فیض کا نہیں ہے فقط خاکسار خادم علی

بنور الله

بڑے بڑے دلائل بیان فرمائے ہیں جیساکہ عرض کیا گیا ہے لیکن اگر انکی تفصیل تحریر کی جائے تو طول ہوتا ہے۔ لہذا بخوف طوالت انکو ترک کر دیا ہے اور حکیم عظیم ارسلا طالیس نے کتاب اثولوجیا کی میمر رابع میں فرمایا ہے ان من وراء ھذا العالم سماء والارض و بحر و حیوان و نبات وناس سماویون وکل من ھذا العالم سماوی۔ یعنی[1] سوائے اس عالم کے آسمان اور زمین اور دریا اور حیوان اور نباتات اور آدمی آسمانی ہیں اور ہر ایک سے جو اس عالم میں ہے وہ سماوی بھی ہے۔ نیز میمر رابع میں فرمایا ہے ان الانسان الحسی انما ھو صنم الانسان العقلی والانسان العقلی روحانی وجمیع اعضائہ روحانیہ یعنی انسان حسی انسان عقلی کا قالب ہے اور انسان عقلی روحانی ہے اور اس کے تمام اعضاء روحانی ہیں۔ اور میمر ثامن کتاب اثولوجیا میں فرمایا ہے ھذہ النار انما ھی صنم لتلک النار فقد بان وصح ان النار التی فی العالم الاعلی ھی حیۃ وان تلک النار ھی المفیضۃ بالحیوۃ علی ھذہ النار یعنی یہ آگ قالب ہے اس نار کا۔ تحقیق ظاہر ہوا کہ وہ نار جو عالم اعلیٰ میں ہے زندہ ہے اور وہ نار فائض کرنے والی ہے حیات کو اس نار ارضی پر۔ اور نیز میمر ثامن میں فرمایا ہے۔ ان ھذا العالم الحسی کلہ انما ھو مثال وصنم لذلک العالم فبالحری ان یکون ذالک العالم اتم تماماً واکمل کمالاً لانہ ھو المفیض علی ھذا العالم الحیوۃ والقوۃ والکمال یعنی یہ عالم حسی کلہ مثال اور قالب ہے اس عالم عقلی کا پس لائق ہے کہ وہ عالم عقلی اتم واکمل ہوا سواسطے کہ وہ فیضان کرنیوالا ہے اس عالم پر حیات اور قوت اور کمال کا۔ اور میمر عاشر کتاب اثولوجیا میں فرمایا ہے کہ ان کل صورۃ طبیعیۃ فی ھذا العالم ھی فی ذالک العالم الا انھا ھناک بنوع افضل واعلی وذالک انہا ھھنا متعلقۃ بالھیولی وھی ھناک بلا ھیولی وکل صورۃ

---

[1] یعنی جو کچھ کہ اس عالم کون و فساد میں واقع ہے وہ سب کچھ نظام معقول میں بھی موجود ہے اور یہ سب کچھ اسی کے مطابق ہورہا ہے اور آدمی آسمانی سے مطلب انسان کامل ہے جو رب النوع ہے کہ وہ من حیث المرتبہ علوی ہے اگرچہ من حیث اصل ظہور مادی میں ہے فقط خاکسار خادم علی۔

لطبیعیۃ فھی ضم للسورۃ التی ھنالک . یعنی جو صورت طبعی کہ اس عالم میں ہے وہی اس عالم عقلی میں ہے مگر فرق یہ ہے کہ وہاں بنوع افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ یہاں متعلق بمادہ ہے اور وہاں بلا مادہ ہے اور ہر ایک صورت طبیعی اس صورت عقلی کا قالب ہے ؛

محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ جب رب النوع کا موجود ہونا بیان اقوال حکماء الٰہیین سے ثابت ہو گیا اور بقاعدۂ امکان اشرف رب الانواع کا اشرف موجودات ہونا بھی ثابت ہے کیونکہ اس کے اثبات میں قاعدۂ امکان اشرف استعمال کیا گیا ہے اور ہم بقاعدۂ امکان اشرف ثابت کر آئے ہیں کہ اشرف موجودات امام ہے اور واسطہ فی الفیضان بھی امام ہے پس لازم آیا کہ رب النوع کے جس کے اثبات میں حکماء نے بڑا اہتمام فرمایا ہے اور افلاطون الٰہی اور سقراط اور ہرمس الہرامسہ نے اس کے مشاہدہ کا بھی دعوےٰ فرمایا ہے امام ہے کیونکہ امام ہی ایک مرتبہ متوسط میں جو بعد از مرتبہ عقل ہے رب النوع ہیں پس موجود ہونا امام کا ہر زمانہ میں ثابت ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر امام دنیا میں موجود نہ ہو تو دنیا ہلاک اور فنا ہو جاوے ؛

دلیل چہارم

حرکتِ عشقیہ

حرکت عشقیہ تمام طبائع میں موجود ہے۔ جیسا کہ اخوند ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے بھی کتاب عین الحیٰوۃ میں فرمایا ہے بدانکہ بنائے ایں عالم بر عشق و محبت است و ہر کسے را معشوقے و مقصودے است کہ آں مطلب درنظر او عظیم است و سائر اشیا را بہ تبعیت آں مے طلبد۔ پس لابد ہے کہ ہر نوع طبیعی کے واسطے غائت کمالیہ عقلیہ ہو تاکہ اس کے افراد کی توجہ بحسب الجبلتہ اور انکا تشوق بحسب الغریزہ بطرف مافوق کے صحیح ہو۔ اور اگر غائت کمالیہ عقلیہ نہ ہو تو میلان اور توجہ کا تمام اور کمال کی طرف مترکز ہونا باطل اور عبث ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں عبث کا ہونا محال ہے۔ جیسا کہ مسئلہ علت و معلول میں مبرہن ہے۔ اس میلان اور توجہ بطرف کمال کی غائت نفس نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی مادام کہ نفس ہیں بالقوہ ہیں اور مشتاق کمال اتم ہیں۔ اور غائت انکی واجب الوجود بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ غایات متعددہ اور متنوعہ ہیں۔ اور واجب الوجود واحد ہے۔ پس وہ غایات عقول ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جیسا کہ لابد ہے کہ سلسلۂ مبادی اور ترتیب صدور اشیا میں واسطہ عقلیہ ہو درمیان واجب الوجود اور مخلوقات کے ایسا ہی لابد ہے کہ بعد از نزول موجودات از کمال سلسلۂ غایات اور ترتیب رجوع موجودات اور عود موجودات بطرف کمال میں واسطۂ عقلیہ ہو درمیان ان موجودات کے اور غائت غایات کے۔ اور واسطہ اول الاوائل اور مبدا المبادی ہے۔ اور لازم ہے کہ وہ ہر زمانہ میں موجود ہو۔ ورنہ حرکت عشقیہ طبائع کی

لہ یہ بعینہ وہی بیان ہے جو ادلہ شش گانہ کے اختتام پر ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے فقط خاکسار خادم علی

باطل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ بحث حرکت میں مبرہن ہے۔ کہ حرکت کے لئے ضروری ہے کہ مبدا حرکت اور منتہائے حرکت موجود ہوں ورنہ حرکت باطل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ حرکت عشقیہ موجود ہے۔ پس منتہائے حرکت بھی لازم ہے کہ موجود ہو اور وہ عقل اول ہے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ عقل اول ایک مرتبہ ہے مراتب امام سے جیسا کہ احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں۔ پس وہ امام ہے۔ جناب امیر علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں منقول ہے۔ کہ ان لکم نہایۃ فانتہوا الی نہایتکم و ان لکم علما فاھتدوا بعلمکم وان للاسلام غایۃ فانتہوا الی غایۃ یعنی بدرستیکہ تمہارے لئے نہایت ہے پس پہنچ جاؤ اپنی نہایت کی طرف اور بدرستیکہ تمہارے واسطے نشان ہدایت ہے پس ہدایت پاؤ اپنے نشان ہدایت سے اور بدرستیکہ اسلام کے واسطے غایت ہے پس پہنچ جاؤ اس غایت کی طرف۔ پھر جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں فان الغایۃ اماسکم یعنی بدرستیکہ غایت تمہاری امام ہے۔ یا بمعنی دیگر منتہاگاہ ہے ❖

بیان اس امر کا کہ عشق دائماً ہر شے میں حاصل ہے

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے موجودات عقلیہ ونفسیہ وحسیہ وطبیعیہ میں سے ہر ایک کے واسطے ایک کمال مقرر فرمایا ہوا ہے۔ اور اس کی ذات میں اس کمال کا عشق اور شوق مرکوز کر دیا ہے۔ عشق شوق سے مجرد ہے اور وہ مفارقات عقلیہ کے لئے مختص ہے۔ جو من جمیع الجہات بالفعل ہیں۔ اور عقول کے سوا دیگر اعیان موجودات میں کہ وہ نقد کمال سے اور قوت استعداد سے خالی نہیں ہیں اور شوق ارادی یا طبیعی ہے علی تفاوت درجات۔ اور ان میں مناسب اس میلان کے حرکت ہے اور وہ حرکت یا نفسانیہ ہے یا جسمانیہ۔ اور حرکت جسمانیہ یا حرکت فی الکیف ہے مثل مرکبات طبیعیہ کے یا حرکت فی الکم ہے مثل حیوان اور نبات کے۔ یا حرکت وضعیہ ہے مثل حرکت فلکیہ

کے یا حرکت فی الدین ہے مثل حرکت عناصر کے ۔

برہان اس پر یہ ہے کہ معلوم ہے کہ وجود کلہ خیر محض و مؤثر ولذیذ ہے اور اس کے مقابل میں عدم شر اور کریہہ اور مہرب عنہ ہے ۔ اور معلوم ہے کہ وجود نوع واحد بسیط ہے جو فی ذاتہ مختلف فیہ نہیں ہے لیکن اس کے حدود اور درجات مختلف ہیں اور وہ ممکنات کی ماہیات کے اختلاف اور اجناس وفصول کے اختلاف کا منشا ہے ۔ پس وجود فی نفسہ متفاوت ہے ۔ بہ اکمل وانقص واشد واضعف ۔ اور غایت کمال وجود واجب الوجود ہے ۔ کیونکہ وہ غیر متناہی الشدۃ فی الکمال ہے ۔ اور موجودات معلولیہ سے ہر واحد پر واجب الوجود سے حصۂ کمال فائض ہوتا ہے اور معلولات میں سے ہر واحد بحسب معلولیت ناقص ہے ۔ اور وجود بحت وبسیط واجب الوجود ہے ۔ اس میں کوئی جنبہ اور ناحیہ نقص کا نہیں ہے ۔ اگر ناقص ہو تو وجود واجب الوجود غیر متناہی القوۃ والقدرۃ نہ ہوگا ۔ پس ثابت ہوگیا کہ نقص وتناہی معلولیت کے لوازم میں سے ہیں ۔ اور معلول رتبہ میں علت کے مساوی نہیں ہوتا ۔ پس جو معلول نہ ہو مثل واجب تعالیٰ کے اس میں کوئی نقص نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ محض حقیقت وجود اور خیر ہے پس وہ لذاتہ بہجت اور محبت میں اعظم اشیا ہے ۔ اور جس چیز میں معلولیت زیادہ ہوگی اور اس چیز اور واجب الوجود کے درمیان وسائط زیادہ ہونگے وہ انقص ہے اور جو چیز

لہ مصنف دام ظلہ نے حل حدیث طینت میں خاکسار کے سوال پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اس مسئلہ کو براہین عقلیہ کیسا تھ بسط سے ثابت کیا ہے کہ ہستی چونکہ جانب رب تعالیٰ سے صادر ہوئی ہے اور وہ خیر محض ہے پس واجب ہے کہ ہستی بھی خیر محض ہو پس وجود خیر ہے اور شر خیر کے بالمقابل ہے اس لئے وہ عدم ہے یعنی عدم شر ہے مثلاً ایک نفس زکی کا موجود ہونا خیر تھا ۔ اسکو بکر نے تلوار سے ہلاک کر ڈالا چونکہ تلوار ایک وجودی شے ہے ۔ اسلئے تلوار خیر ہے ۔ بکر کا زور بازو جس سے اسنے تلوار کو حرکت دی ایک ہست شے ہونیکے باعث خیر ہے ۔ تلوار کا یہ فعل کہ وہ گلے کو جدا کرے چونکہ اس کا ایک کمال ہے جو موجود ہے اس لئے خیر ہے مگر اس نفس زکی کا نیست ہو جانا شر ہے اور چونکہ اسکا نیست ہونا بکر کے تلوار چلانیکے فعل کا لازمہ ہے اسلئے بکر کے تلوار چلانے کو بھی شر کہا جاتا ہے ۔ پس شر لازمۂ ماہیت ہے اور لوازم ماہیات مجعول نہیں ہوتے پس شر چونکہ عدم ہے اور لازمۂ ماہیات ہے ۔ اسلئے مخلوق نہیں ہے اور چونکہ ہر شے اپنے کمال وجود کی طالب ہے اسلئے وہ اپنے عدم سے نافر ہے ۔ خادم علی

واجب تعالیٰ سے اقرب ہے وہ اکمل اور اتم ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا تو ثابت ہؤا کہ موجودات میں سے کوئی شے محبت الٰہی اور عشق الٰہی اور عنایت ربّانی سے خالی نہیں ہے اور اگر اس عشق اور محبت سے کوئی شے ایک لحظہ بھی خالی ہو تو ضرور وہ فنا اور ہلاک ہوجائے۔ پس ہر واحد کمال وجود کا عاشق اور طالب ہے اور عدم و نقص سے نافر ہے۔ اور معشوق اور مطلوب کا موجود ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ معلول باقی نہیں رہتا مگر بہ بقائے علت۔ اور حرارت محفوظ نہیں ہوتی۔ مگر بحرارت اقوی۔ اور نور کامل نہیں ہوتا مگر بہ نور اقویٰ اور ہیولی کامل نہیں ہوتا۔ مگر بہ صورۃ۔ اور صورۃ کامل نہیں ہوتی۔ مگر بہ مصور۔ اور حسن کامل نہیں ہوتی مگر بہ نفس۔ اور نفس کامل نہیں ہوتا مگر بہ عقل۔ اور عقل کا بقا نہیں ہے۔ مگر بہ واجب الوجود۔ پس ہر ناقص اپنے نقص سے متنفر ہے اور کمال کا عاشق اور مشتاق ہے پس عشق دائما ہر شے میں حاصل ہے ۞

اشتیاق و میل جو اشیاء میں حاصل ہے وہ فقدان کمال کی حالت میں ہے۔ اسی واسطے عشق تمام موجودات میں ساری ہے مگر شوق تمام موجودات میں ساری نہیں ہے بلکہ ان موجودات میں ساری ہے جو مجردات محضہ نہیں ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ تمام موجودات ذی حیات نہیں ہیں۔ کہ ان میں اشتیاق و میل یا عشق ہو تو بجواب اس کے ہم کہتے ہیں کہ عرفا کے نزدیک کل اشیا حیؔ[1] اور زندہ ہیں۔ اور جمہور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حیات اس میں ہے۔ کہ جس میں حس و حرکت ارادیہ ہووے۔ پس جبکہ معلوم ہؤا کہ ہر موجود بسیط ہو یا مرکب ذی حیات اور ذی شعور ہے۔ پس لامحالہ اس کو عشق اور شوق ہوگا۔

---

[1] مثلاً اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ زمین و آسمان کی کل اشیاء میری تسبیح کرتی ہیں۔ عرفا کے نزدیک ہر ایک چیز حقیقتاً اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور جسکو بارہا انبیاء اور آئمہ نے سامعین کے نفوس کو اپنی قوت قدسیہ سے ترقی دیکر سنوا بھی دیا ہے اور تسبیح و تقدیس بغیر حیات کے ہو نہیں سکتی نہ کہ جیسا کہ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ کل اشیا علت اثبات واجب ہیں اسلئے یہ کہا گیا ہے کہ گویا کہ وہ تسبیح الٰہی کرتی ہیں۔ فقط خاکسار خادم علی

اور تمام موجودات نفس الامر میں یا کامل ہیں من کل الوجود یا ناقص ہیں بوجہ من الوجوہ اور کامل من کل الوجوہ یا (۱) کامل بنفسہ ہے یا قطع نظر از ماورائے او حتیٰ کہ اس کا نفس اور کمال شے واحد ہو من غیر تغائر لا فی الذات ولا فی الاعتبار یا (۲) کامل بماورائے خود ہے۔ کامل بنفسہ واجب تعالیٰ ہے۔ اور کامل بماورائے ذوات عقلیہ ہیں۔ پس موجودات کاملہ عشق سے منفک نہیں ہیں اور عشق ان کی عین ذات ہے۔ اما واجب تعالیٰ۔ پس وہ اپنی ذات کا عاشق ہے اور ذوات عقلیہ عاشق ذات الٰہی ہیں۔ اور نیز عاشق ذات خود ہیں۔ لیکن ان میں جو عشق اپنی ذات کا ہے وہ عشق الٰہی میں مستہلک ہے۔ اما نفوس فلکیہ۔ پس ان کو مفارقت کا الم اور مواصلت کی لذت ہے لہذا انکو حصول کمال عقلی کا عشق اور شوق ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ادنیٰ کو اعلیٰ کا اور انقص کو اکمل کا عشق ہے پس جبکہ ثابت ہوا کہ عشق تمام موجودات کی جبلت میں بھرا ہوا ہے تو لازم آیا کہ معشوق اخیر جو واجب الوجود اور سائر موجودات کے درمیان واسطہ ہے موجود ہو۔ اور وہ عقل اول ہے بمقتضائے اول ما خلق اللہ العقل۔ اور نبی ہے بمقتضائے اول ما خلق اللہ نوری۔ اور امام ہے بمقتضائے اتحاد نور نبی اور امام کے۔ الحاصل مسمی واحد ہے اسمائے مختلفہ کا۔ پس وجود امام کا ہر زمانہ میں لازم آیا۔

واضح ہو کہ حکمائے الہیین اور عرفائے محققین نے دیگر وجوہات کثیرہ درباب سریان عشق در جمیع موجودات تحریر فرمائے ہیں۔ جو نہایت لطیف ہیں اور اکثر حکماء قدماء نے اس مضمون میں رسائل لکھے ہیں۔ چنانچہ شیخ الرئیس بو علی سینا نے ایک مستقل رسالہ سریان عشق در جمیع موجودات میں تحریر فرمایا ہے۔ اور صدر الحکماء والمتالہین اخوند ملا صدرائے شیرازی نے بکمال بسط اس کو لکھا ہے۔ حقیر بخوف طوالت ان مضامین کو لکھ نہیں سکتا۔ اور یہ مختصر گنجائش نہیں رکھتا۔ اور نیز اس کے متعلق ذہن قاصر ہیں۔

اکثر مضامین ایسے ہیں کہ جن کا اظہار از قبیل اظہار اسرار ہے جو ممنوع ہے۔ لہذا سکوت
اولیٰ اور افضل ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

دلیل پنجم

روح[1] عالم

امام روح عالم اکبر ہے۔ بیان اس کا یہ ہے۔ کہ مجموع عالم من حیث المجموع شخصِ واحد ہے۔ بوحدت طبیعیہ۔ نہ مثل وحدت اشیاءِ متغائرہ کے کہ جو بانضمام و اجتماع شئے واحد ہوگئی ہوں مثل اجتماع بیت از لبنات و اجتماع عسکر از افراد۔ اس لئے کہ اجزائے عالم میں علاقۂ ذاتیہ ہے اور جس جمعیت میں علاقۂ ذاتیہ ہو اس کی وحدت ذاتیہ ہوگی بالجملہ عالم کا شخص واحد ہونا برہانی ہے۔ اور حکماءِ محققین میں سے کسی نے اس امر کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ حکیم عظیم ارسطاطالیس نے تصریح فرمائی ہے کہ عالم حیوان واحد ہے اور مسمی ہے بانسان کبیر۔ اور نیز رسائل اخوان الصفا میں بہ بیان طویل ثابت کر دیا ہے کہ عالم[2] انسان کبیر ہے اور آدمی انسان صغیر ہے۔ اور انسان صغیر انسان کبیر کا نمونہ ہے اور انسان[3] کامل انسان کبیر ہے اور انسان صغیر میں تمام اجرام فلکیہ و عنصریہ کا ہونا ثابت کر دیا ہے اور نیز یہ بھی ثابت کیا ہے۔ کہ انسان کبیر میں تمام اعضاء و جوارح انسانی موجود ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ جیسا کہ انسان صغیر ذی حیات

---

[1] قولہ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی و قولہ اللہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شئی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئی علما و قولہ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون ۱۲۔ خاکسار خادم علی

[2] یعنی بحسب صورۃ ۱۲ خادم علی

[3] یعنی بحسب مرتبہ ۱۲ خادم علی

ہے ویساہی انسان کبیر بھی ذی حیات ہے[1] اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے شعر سے بھی ثابت ہے کہ انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کا نمونہ ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

اتحسب انک جرم صغیر وفیک انطوی عالم الاکبر

یعنی کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو جسم کوچک ہے۔ بلکہ تجھ میں عالم اکبر منطوی اور پنہاں ہے اور اخوند ملا محمد باقر مجلسی رسائل اخوان الصفا کے مطابق اور محاذات پر فرماتے ہیں۔ کہ چنانچہ استخوانہا در بدن بمنزلہ کوہہا اند در زمین۔ و گوشت بمنزلہ خاک۔ ورگہائے کوچک و بزرگ بمنزلہ نہرہائے کوچک و بزرگ اند۔ و سر کہ محل اکثر قوی و مشاعر است و مشرف است بر بدن بمنزلہ آسمان ہا است کہ محل کواکب و نیر است۔ و اشعۂ آنہا بر زمین مے تابد۔ و بخارات کہ از معدہ متصاعد مے گردد و بدماغ میرسد و سرد مے شود واز چشم و دماغ متقاطر میگردد بمنزلہ ابخرہ است کہ از زمین متصاعد مے گردد و بکرۂ زمہریر کہ مے رسد متقاطر میگردد۔ وایضاً قوائے دماغیہ بتوسط نخاع بجمیع بدن میرسد۔ چنانچہ اشعہ کواکب در زمین تاثیر مے کند۔ وچنانچہ در زمین امرا و سلاطین و حکام ہستند در بدن نیز بعضی از قوائے خادم بعض دیگر اند۔ و بادشاہ کل نفس ناطقہ است کہ تعبیر ازاں بہ قلب مے کنند۔ باعتبار آنکہ اولاً تعلق بروح حیوانی میگردد۔ وآں از قلب منبعث میشود۔ چنانچہ معمورۂ دنیا در شمال است دل کہ سبب معمورۂ بدن است در جانب شمال است۔ وچنانچہ ملوک را وزراء مے باشند کہ ارزاق رعایا را قسمت کنند آنچہ در کبد طبخ مے یابد بر جمیع بدن منقسم میشود۔ چنانچہ نصیبے از برائے زمین از فضلات مقرر شدہ کہ بدریا منتہی شدہ در بدن انسان نیز مقرر شدہ انتہی چونکہ حیات اور بقائے انسان صغیر جو انسان کبیر کا نمونہ ہے۔ نفس ناطقہ انسانی پر موقوف ہے جو مدبر اور سلطان بدن ہے۔ ایسا ہی انسان

[1] ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت ۔ فقط۔ خاکسار خادم علی

کبیر کا بھی ایک نفس کلی ہونا لازمی ہے۔ جو کہ اس کی حیات اور بقا کا باعث ہو۔ اور اس کو اس عالم کبیر میں ایسا تصرف اور تسلط ہو جیسا کہ نفس ناطقہ انسانی کو بدن انسان میں ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے اشرف اور اعلیٰ طور پر۔ کیونکہ وہ اصل ہے اور یہ نمونہ ہے۔ اور نیز اس لئے کہ وہ روح کلی ہے اور یہ جزئی ہے روح کلی کا۔ کہ جسے تمام اجزائے عالم میں تصرف اور سلطنت ہے اور وہ امام ہے اور اس کا ہونا حیات وبقائے دنیا کے لئے ضروری ہے عارف محقق ملا محسن فیض فرماتے ہیں۔ ان الانسان الکامل ھو العالم الکبیر ولما شابہ العالم الانسان فی ترکب من روح وجسد مع انہ اکبر منہ صورۃ قیل فیہ انہ الانسان الکبیر ولکن انما یصح ھذ القول و یصدق بوجود الانسان الکامل فیہ اذ لولم یکن موجودا فیہ کان کجسد ملقی لا روح فیہ ولا شک ان اطلاق الانسان علی الجسد الذی لا روح فیہ لا یصح الا مجازا وکما یقال للعالم الانسان الکبیر کذالک یقال الانسان العالم الصغیر وکل من ھذین القولین انما یصح بحسب الصورۃ لاجمال احدھما وتفصیل الاخر واما بحسب المرتبہ فالعالم ھو الانسان الصغیر والانسان ھو العالم الکبیر اذ للخلیفۃ الاستعلاء علی المستخلف علیہ۔ ترجمہ[1]۔ بطور خلاصہ یہ ہے۔ کہ انسان کامل عالم کبیر ہے۔ اور عالم انسان کے ساتھ اس کے روح اور جسد سے مرکب ہونے کے باعث مشابہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ عالم انسان سے صورت میں بڑا ہے اور عالم کو جو انسان کبیر کہا گیا ہے وہ انسان کامل کے اس میں ہونے کے باعث سے اس پر صادق آتا اور صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر انسان کامل اس میں موجود نہ ہو تو وہ اس جسد افتادہ کی طرح ہو جائے کہ جس میں روح نہ ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ

[1] یہ ترجمہ مصنف دام ظلہ نے نہیں کیا خاکسار نے کیا ہے۔ اگر کسی جگہ غلطی ہو تو ناظرین اصلاح اور عفو فرمائیں فقط خاکسار خادم علی

اُس جسد پر جس میں روح نہ ہو انسان کا اطلاق صحیح نہیں ہوتا مگر بطور مجاز کے۔ اور جس طرح کہ عالم کو انسان کبیر کہا گیا ہے۔ اسی طرح انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں قول بحسب صورت البتہ صحیح ہیں۔ ایک کے اجمال اور دوسرے کے تفصیل ہونے کے واسطے۔ ورنہ بحسب مرتبہ عالم انسان صغیر ہے اور انسان عالم کبیر کیونکہ خلیفہ کو اس چیز پر علو ہوتا ہے۔ جس پر کہ وہ خلیفہ ہو۔

اور ایک اور مقام پر ملا محسن فیض فرماتے ہیں۔ ان الانسان الکامل ھو المدبر للعالم بالاسماء الالھیتہ وانہ الواسطۃ فی وصول الخلق الی الحق قال اھل المعرفتہ ان الانسان الکامل ھو بمنزلۃ روح العالم والعالم جسدہ فکما ان الروح یدبر الجسد ویتصرف فیہ بمایکون لہ من القوی الروحانیۃ والجسمانیۃ کذلک الانسان الکامل یدبر العالم ویتصرف فیہ بواسطۃ الاسماء الالھیۃ التی اودعاہ فیہ وعلمھا ایاہ ورکبھا فی فطرۃ فانھا بمنزلۃ القوی من الروح ترجمہ[1]۔ بطور خلاصہ یہ ہے کہ انسان کامل مدبر عالم ہے ساتھ اسماء الٰہیہ کے۔ اور وہ واسطہ ہے درمیان وصول خلق کے طرف حق کے۔ اہل معرفت نے کہا ہے کہ انسان کامل بمنزلہ عالم کی روح کے ہے اور عالم اس کا جسد ہے۔ اور جس طرح کہ روح اپنے قویٰ روحانیہ اور جسمانیہ کے ساتھ جسد کی تدبیر کرتا اور اس میں تصرف کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل ان اسماء الٰہیہ کے ساتھ جو اس میں ودیعت رکھے گئے اور اس کو سکھائے گئے اور اس کی فطرت میں رکھے گئے ہیں۔ عالم کی تدبیر کرتا اور اس میں تصرف کرتا ہے اور وہ اسماء الٰہیہ انسان کامل کے لئے اس طرح ہیں جس طرح کہ روح کے لئے قویٰ۔ اور تائید کرتی ہے اس دلیل کی وہ حدیث جو کہ محمدؐ بن یعقوب کلینی و شیخ صدوق محمدؐ ابن بابویہ و دیگر علمائے نے بسند معتبر روائت کی ہے کہ حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے

[1] یہ ترجمہ خاکسار نے کیا ہے اگر غلطی ہو تو ناظرین درگذر اور اصلاح فرمائیں۔ خاکسار خادم علی

ہشام بن سالم سے جو آنحضرت کے فضلاء اصحاب سے تھا پوچھا کہ تو نے عمر بن عبید بصری کے ساتھ جو کہ صوفیائے اہلسنت سے تھا کیا کیا۔ اور تو نے اس سے کس طرح سوال کیا۔ ہشام نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول خدا میں آپ پر فدا ہوں میں آپ سے شرم کرتا ہوں اور میری زبان آپ کے حضور میں کلام نہیں کر سکتی۔ حضرت نے فرمایا کہ جب کہ ہم تم کو امر کریں تو چاہیئے کہ تم اطاعت کرو۔ ہشام نے عرض کیا کہ مجھ کو خبر ملی کہ عمر دعویٰ فضیلت کا کرتا ہے اور اس کی نشست مسجد بصرہ میں اور افساد کرنا مجھ پر گراں گذرا۔ پس میں روانہ ہوا اور روز جمعہ میں داخل بصرہ ہوا۔ اور مسجد بصرہ میں آیا۔ آدمیوں کا ایک بڑا حلقہ مجھے نظر آیا کہ عمر کے گرداگرد لگا ہوا ہے۔ اور اس نے ایک جامہ سیاہ پشمی باندھا ہوا تھا اور ایسا ہی دوسرا جامہ چادر بنایا ہوا تھا۔ اور لوگ اس سے سوال کرتے تھے۔ پس راہ کشادہ کر کے میں اس حلقہ میں داخل ہوا۔ اور سب کے آخر دو زانو ہو بیٹھا۔ میں نے کہا اے عالم میں ایک مرد غریب ہوں۔ آیا اجازت دیتے ہو کہ ایک مسئلہ کا سوال کروں۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا۔ آیا تیری آنکھ ہے۔ اس نے کہا اے بیٹا یہ کیا سوال ہے۔ میں نے کہا کہ میرا سوال ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ اے فرزند اگرچہ مسئلہ احمقانہ ہے مگر پوچھ لے۔ میں نے کہا کہ تو آنکھ رکھتا ہے اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اس کے ساتھ کیا دیکھتا ہے اس نے کہا رنگ اور اشخاص۔ میں نے کہا آیا تو ناک رکھتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اس سے تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے کہا سونگھتا ہوں۔ میں نے کہا تو منہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا تو اس سے کیا کام لیتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے ساتھ چیزوں کا مزہ لیتا ہوں۔ میں نے کہا تیری زبان ہے اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اس سے تو کیا کام کرتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ کلام کرتا ہوں۔ میں نے کہا آیا تو کان رکھتا ہے اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ وہ تیرے کس کام آتے

ہیں۔ اس نے کہا کہ ان کے ساتھ آوازوں کو سنتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ آیا تو ہاتھ رکھتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا تو ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ انکے ساتھ چیزوں کو پکڑتا ہوں۔ میں نے کہا آیا تو دل[1] رکھتا ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے کہا وہ تیرے کس کام آتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ اس چیز کو تمیز کرتا ہوں جو کہ ان اعضاء پر مشتبہ ہوں۔ میں نے کہا کہ وہ اعضاء کافی اور مستغنی نہیں تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ دل سے کیوں مستغنی نہیں ہیں اور حالانکہ تمام صحیح وسالم ہیں۔ اس نے کہا کہ اے فرزند جب یہ اعضاء اس چیز میں شک کرتے ہیں۔ جس کو یہ سونگھتے یا دیکھتے یا چکھتے یا سنتے یا چھوتے ہیں۔ تو دل کی طرف لے جاتے ہیں۔ پس وہ یقین کو جزم اور شک کو باطل کر دیتا ہے۔ میں نے کہا تو پھر خدا نے دل کو بدن میں اس لئے رکھا ہے کہ اعضا اور جوارح کے شک کو برطرف کرے اس نے کہا ہاں۔ مَیں نے کہا تو پس چاہئے کہ دل بدن میں ہو اور ضرور ہو۔ اور اگر دل نہ ہو تو اعضاء وجوارح کے اور اکات مستقیم نہ ہوں۔ اس نے کہا ہاں پس میں نے کہا کہ اے ابومروان خداوند عالمیاں نے اعضاء اور جوارح کو بدوں امام اور پیشوا کے نہیں چھوڑا ہے تاکہ جو کچھ حق ہے ان پر بیان کرے۔ اور شک کو ان سے زائل کرے۔ اور کیا جمیع خلائق کو حیرت اور شک اور اختلاف میں چھوڑ دیا۔ اور امام اور مقتدا انکے واسطے نصب نہ کیا کہ حیرت اور شک میں اس کی طرف رجوع کریں۔ تاکہ ان کو راہ حق پر مستقیم رکھے اور حیرت اور شک کو ان سے اٹھاوے۔ جب میں نے یہ کہا تو عمر ساکت ہو گیا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ تب حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ہشام تو نے اس کو کہاں سے سیکھا ہے۔ ہشام نے عرض کیا کہ آپ کے کلمات سے۔ حضرت نے فرمایا کہ بخدا سوگند کہ یہ مضمون اور جواب ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام

[1] دل سے مراد اس جگہ وہ صنوبری شکل کا مضغۂ گوشت نہیں ہے جو سینہ کی بائیں جانب واقعہ ہے بلکہ دل سے مراد نفس ناطقہ ہے

کے صحیفوں میں لکھا ہؤا ہے اس حدیث سے صاف ثابت ہؤا کہ امام موجودات عالم
میں ایسا ہے جیساکہ روح بدن میں ٭

نیز دلیل اس امر کی کہ امام روح موجودات ہے اور محض تنفیذ احکام اور اصلاح
قوم کے لئے نہیں ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ
یہ اس وقت فرمایا اور خلیفہ اس وقت مقرر ہؤا جبکہ قوم ابھی پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ اگر
نبی یا امام سے محض تنفیذ احکام شرعیہ اور اصلاح قوم مطلوب ہوتی تو قبل از پیدائش
قوم خلیفہ کی کیا ضرورت تھی۔ پس معلوم ہؤا کہ خلیفۃ اللہ روح موجودات ہیں۔ جس کی سب
سے پہلے ضرورت ہے ٭

دلیل ششم

غائت وجود خلائق

وجود امام غائت وجود خلائق ہے۔ از جن و انس وغیرہ۔ جیسا کہ اس پر قرآن مطابق للبرہان شاہد ہے۔ لقولہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ آئمہ ہی عابد و عارف الہٰیہ ہیں بر بسبیل کشف وبصیرۃ۔ جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں منقول ہے انما الائمۃ قوام اللہ علیٰ خلقہ وعرفاؤہ علی عبادہ۔ یعنی تحقیق آئمہ ہی اللہ کے امر سے اس کی خلق پر ایستادگاں ہیں۔ اور وہی اس کے عارف ہیں اوپر اس کے بندوں کے۔ اور جیسا کہ رسالت اور نبوت ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہوئی ویسا ہی امامت اور ولایت اب سے آخر اولاد معصومین پر ختم ہوئی۔ جو اب قیامت تک سلطان عالم ہے۔

سوال

اگر کل دلائل مندرجہ فصل دوم کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو بھی ان سے نبی یا امام کا انسانی شکل میں دنیا پر موجود رہنا صاف طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ادلہ سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آئمہ وانبیائے ماسلف عقول ہیں اور محمدؐ و آئمہ اہلبیت عقل اول ہیں اور انکا ہر وقت موجود رہنا ضروری ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا عقلی وجود میں موجود رہنا ضروری ہے یا وجود مادی یعنی شکل انسانی میں۔

جواب

یہ سوال سائل نے کمی نظر پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس کا جواب مطویات ادلہ میں

بیان ہو چکا ہے۔ جس کو ہم بطور خلاصہ اس جواب میں درج ذیل کرتے ہیں :-

انبیاء اور آئمہ کے اکثر فوائد انکی عقلی ہستی پر مترتب ہیں۔ اور بعض فوائد کے لئے وہ تنزلاً شکل انسانی میں متشکل ہوتے ہیں۔ اور وہ اس تعلق مادی میں بھی عرفان الٰہی کے لئے اور واسطہ فی الفیضان الٰہی ہونے کے لئے متنزل ہوتے ہیں کہ جو قیام و بقائے عالم کا باعث ہے نہ کہ ابتدائے خلق اور تنفیذ احکام کے لئے کیونکہ یہ امور ان سے بالعرض مقصود ہوتے نہ کہ بالذات۔

ہر دو عالم یعنی عالم غیر مادی (مجردات) اور مادی میں سے جیسا کہ عالم مجردات میں عقل اول اور اس کے مراتب متنزلہ یعنی دیگر عقول کامل اور نورانی ہیں ویسا ہی عالم مادی میں مادہ ناقص و ظلمانی ہے۔ ان ہر دو عالم پر کل خیرات و کمالات جناب باری تعالیٰ سے فائض ہوتے ہیں۔ اگر اس کا فیضان ان پر سے اٹھ جائے۔ تو یہ نیست و نابود ہو جائیں۔ یہ فیضان اللہ جل شانہ کا لطف ہے جو واجب ہے کہ ہر آن و ہر زمان میں کل موجودات کے شامل حال رہے۔ کل موجودات میں اشرف و اخس کی ترتیب موجود ہے اور جیسا کہ قاعدہ امکان اشرف سے ثابت ہے خدائیتعالیٰ کا کل فیضان پہلے اشرف پر اور پھر اس اشرف کے ذریعہ اس سے اخس پر اور پھر اس اخس کے ذریعہ اس سے اخس پر ہوتا ہے حاصل یہ کہ فیضان الٰہی کے ورود کے لئے وسائط کا ہونا لازمی ہے عالم علوی میں عقل اول پہلا واسطۂ فیضان ہے اور پھر اس کے بعد دیگر عقول علی الترتیب عقول و موجودات مابعد پر عالم علوی عالم سفلی سے بالکل مختلف شے ہے اور اس کا موجودہ سلسلہ عالم علوی سے جداگانہ ہے وہ چونکہ انقص و اظلم موجودات ہے۔ لہٰذا حصول فیضان کے لئے اسے عالم مجردات سے بدرجہ اولیٰ ایسے واسطہ فی الفیضان کی ضرورت ہے جو نور محض ہو اور ان نقائص سے بری ہو جو مادہ کو فی حد ذاتہ ناقابل وصول فیضان الٰہی بناتے ہیں۔ اس واسطہ کو اس عالم کا واسطہ

فی الفیضان ہونے کے لئے واجب ہے کہ اس عالم مادی سے ایک گونہ تعلق رکھے اور واجب ہے کہ وہ تعلق صرف عارضی اور ظاہری ہو۔ اور وہ بھی اس قدر کم کہ اُس سے زیادہ کم ہونے کی حالت میں وہ عالم سفلی سے بالکل علیحدہ ہو جاتا ہو۔ ورنہ اس میں واسطہ ہونے کی اہلیت نہ رہیگی۔ یعنی وہ واسطہ دو جہتیں ہونا چاہئے۔ جس میں ایک جہت تجرد ہو اور دوسری جہت مادیت جو کہ عارضی ہو۔ عالم سفلی میں صرف ایک شے ایسی ہے جو ساحل تجرد پر واقع ہے اور جس ایک شے کے ہونے سے وہ واسطہ باوجود نور محض ہونے کے اس عالم سے ایک گونہ عارضی اور ظاہری تعلق رکھ کر اس سے علیحدہ رہ سکتا ہے۔ وہ شئے کیا ہے؟ صورت۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی شے اس عالم سے ایسا صوری تعلق رکھنے کے لئے مناسب نہیں۔ یعنی ایسا تعلق جو معنوی بے تعلقی ہو۔ پس تقریر بالا سے ثابت ہو گیا کہ عالم مادیات میں ورود فیضان الٰہی کے لئے ہر زمانہ میں ضرور ایک ایسا واسطہ ہونا چاہئے جو کہ معنًا مجرد مگر صورتًا مادی ہو۔ اور چونکہ عالم سفلی کی سب صورتوں سے انسانی صورت اشرف و احسن ہے اس لئے واجب ہے کہ صورت انسانی ایسے واسطہ سے متعلق ہو۔ اور ایسے واسطہ ہی کو نبی یا امام کہتے ہیں *

اب سوال یہ ہے کہ ایسے واسطہ کا اصل عالم عقول سے ہونا چاہئے یا نفوس سے اس کا جواب یہ ہے کہ عالم عقول سے۔ کیونکہ نفوس ناطقہ عالم مادی میں آکر اگرچہ بعد استکمال ایک حد تک تجرد بھی حاصل کر لیں۔ مگر بوجہ جسمانیۃ الحدوث ہونے کے مادام کہ وہ نفوس ہیں مادہ سے ان کا تعلق ذاتی ہوتا ہے نہ کہ عرضی خارجی اور نہ ہی ان میں کل عالم پر انتشار تجلیات فیضان کی قدرت ہوتی ہے۔ پس وہ انسان جن کا مبلغ صرف نفوس ہیں واسطہ فی الفیضان نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ نے عالم علوی پر اپنا فیضان وارد کرنے کے لئے عقل اول اور اس کے بعد دیگر عقول کو ہی واسطہ قرار دیا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا ہر ایک فعل اصلح ہے اس لئے ثابت ہوا کہ صرف عقل

اول ہی ہیں واسطۂ اول یا دیگر عقول میں وسائط فیضان الٰہی ہونے کی اہلیت ہے
اور نیز جیسا کہ عقول اقرب باری تعالیٰ اور انور ہیں ویسے ہی مادیات ابعد اور اظلم
ہیں۔ پس ایسے عالم ابعد و اظلم میں فعل کرنے کے لئے ایسے اقرب و انور وسائط کا ہونا
ہی لازمی ہے اور مزید بریں یہ کہ مادہ جیسی ظلمانی شے کے لئے ورود فیضان نور کا واسطہ
وہی چیز ہو سکتی ہے۔ کہ جس کے تجرد میں مادیت عارض ہونے کی حالت میں کوئی
نقص نہ آئے۔ بلکہ ہر وقت وہ صورتًا تو اس عالم میں ہو مگر معنًا اسے عالم قدس میں
معراج رہے۔ چونکہ نفوس کا تجرد عروض مادیت کی حالت میں ایسا کامل نہیں رہ سکتا
اس لئے صرف عقول ہی اس عہدہ کے لئے اہل ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ انبیا اور
آئمہ کا اصل عقول ہیں نہ کہ نفوس۔ اور نبی آخر الزمان چونکہ افضل انبیاء ہے اور اوصیائے
آنحضرت بوجہ توحد نور کے افضل اوصیاء و انبیائے ماسلف ہیں۔ ان کا اصل عقل اول
ہے اور یہ حضرات اسی عقل کے ظہورات مختلفہ ہیں۔ جس طرح کہ یہ حضرات مظاہر ہیں مختلف
اسماء الٰہیہ کے۔ کیونکہ عقل اول افضل عقول ہے۔ اور اسی کے واسطہ سے تمام جہان
پر کل فیضان کا دروازہ کشادہ ہے۔ وہ نور پہلے تو ہستی عقلی میں اور پھر ظہور مادی میں
قیامت تک واسطہ فی الفیضان الٰہی ہے۔ پس ثابت ہو گیا۔ کہ جس طرح کہ وجود و بقائے
عالم علوی کے لئے عقول کا انکی وجود عقلی میں اسی طرح بقائے عالم ادنیٰ کے لئے
عقول کا ان کی وجود مادی میں موجود رہنا ضروری ہے۔ اور[لہ] یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ انبیاء
اور آئمہ علیہم السلام کے فائدے ان کی نظروں سے مخفی ہو جانے میں زائل نہیں ہوتے
جیسے کہ فوائد آفتاب اس کے سامنے سے لکۂ سحاب آجانے سے مرتفع نہیں ہوجاتے
اور ایسے عقلی الاصل انسان کو ہی حکما انسان کامل یا روح عالم بیان کرتے ہیں۔

لہ و اشرقت الارض بنور ربها (قرآن شریف) ۱۲ منہ

فائدہ

امام ظاہر و امام غائب فائدہ میں مساوی ہیں

جب ان ادلہ سے ثابت ہوگیا کہ نبی یا امام سے مقصود بالذات تنفیذ احکام شرعیہ و اقامۂ حدود و حفظ نظام و حفاظت بیضۂ اسلام وغیرہا نہیں ہیں۔ بلکہ یہ امور مقصود بالعرض و بالتبع ہیں اور مقصود بالذات اس سے ایجاد عالم اور بقائے زمین و مافیہا ہے اور بقاعدۂ امکان اشرف ثابت ہوا کہ امام بذر اور تخم ہیں شجرۂ عالم کا۔ اور رب النوع بلکہ رب الانواع ہے کہ واسطہ فی الفیضان ہے اپنی نوع بلکہ کل انواع پر۔ پس ان فوائد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ امام ظہور جسمانی میں ظاہر رہے اور خلائق اس کو مشاہدہ کریں۔ کیونکہ فوائد مذکور جسمانی ظہور پر نہیں۔ بلکہ مرتبہ عقلانی پر مترتب ہیں۔ اور جسمانی ظہور اس مرتبہ کو عارض ہوتا ہے۔ پس امام ظاہر اور امام غائب ان افادات میں مساوی ہیں۔ بلکہ اس سے ترقی کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آئمہ معصومین جو کہ ظاہر تھے۔ وہ بھی اس[1] مرتبہ میں غائب ہی تھے۔ اسی واسطے وہ آیہ یؤمنون بالغیب[2] میں لفظ غیب کا مصداق قرار پاتے ہیں۔ ان کو سوائے خدا اور رسولؐ کے اور کسی نے نہیں پہچانا۔ چنانچہ سرور کائنات نے حضرت امیرؑ کو فرمایا۔ یا علی نہیں پہچانتا اللہ کو سوائے میرے اور

---

[1] مرتبہ عقلانی میں فقط خادم علی

[2] چنانچہ ابن بابویہ نے معتبر سندوں سے یحیی ابن ابوالقاسم سے روایت کی ہے کہ جناب صادقؑ نے آیہ مذکورہ کے بیان میں فرمایا والغیب ھو الحجۃ وشاھد ذالک قولہ تعالیٰ انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ یعنی غیب سے مراد حجۃ اللہ الغائب ہے اور اسکی شاہد دوسری آیت ہے کہ انما الغیب للہ الخ۔ اور نیز جابر انصاری سے ایک حدیث سرکائناتؐ سے اسی مطلب میں روایت کی ہے کہ یومنون بالغیب سے وہ آدمی مراد ہیں جو غیبت امام پر ایمان رکھتے ہیں ۱۲ خاکسار خادم علی

تیرے کوئی اور۔ اور نہیں پہچانتا مجھ کو سوائے اللہ کے اور تیرے کوئی اور۔ اور نہیں پہچانتا تجھ کو سوائے اللہ کے اور میرے کوئی اور۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ امام مرتبہ امامت میں ہر وقت غائب ہیں۔ اور انکی معرفت ہر ایک کو ممکن نہیں ہے۔ مگر ان لوگوں کو ہوئی کہ جن کے دلوں کو خدا نے امتحان کرلیا مثل سلمان اور ابوذر کے۔ اسی واسطے انہوں نے دوسروں کی بیعت قبول نہ کی اور جانوں سے درگذرے اگرچہ ان کی معرفت کماحقہ خدا اور رسول کو ہی ہوسکتی ہے۔

جبکہ وہ روح عالم ہیں تو کوئی ضرور نہیں ہے کہ ظاہر ہی ہوں۔ اور لوگ ان کو مشاہدہ کریں۔ کیونکہ روح کا مشاہدہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ممکن نہیں ہے جیسا کہ انسان کی روح مشاہدہ میں نہیں آسکتی۔ حالانکہ وہ روح جزئی ہے ویسا ہی انسان کبیر کی روح کیونکر مشاہدہ میں آئے۔ حالانکہ وہ روح کلی ہے۔ امام کا دنیا میں وہ فائدہ ہے جو کہ روح کا بدن میں۔ جیسا کہ روح انسانی غائب از نظر ہے ویسا ہی روح عالم بھی غائب از نظر ہے[1] قاعدہ ہے کہ موجودات میں جو چیز اعلیٰ اور اشرف ہے وہ نظر ظاہری سے غائب رہتی ہے۔ مثلاً واجب الوجود سب سے وجود میں اعلیٰ اور اشرف اور اتم اور اکمل ہے وہ باعتبار شدت ظہور کے غائب ہے اور باقی موجودات میں سے ملائکہ افضل ہیں وہ بھی غائب ہیں۔ اور اسماء الٰہی میں اسم اعظم اشرف ہے وہ بھی غائب ہے۔ اور سال کی راتوں میں لیلۃ القدر افضل و اشرف ہے وہ بھی غائب ہے اور بدن انسانی میں نفس ناطقہ اشرف ہے وہ بھی غائب ہے ایسا ہی نوع انسانی میں امام اشرف بنی نوع ہے وہ بھی مرتبہ امامت میں غائب ہی ہوگا۔ اگرچہ اس کا ظہور مرتبہ بشریت میں ممکن ہے لیکن وہ ظہور امامت کے مرتبہ کے منافی نہیں ہوتا فتدبر۔

---

[1] یعنی اس کا اصلی مرتبہ عقلی مشاہدہ میں نہیں آسکتا۔

تتمہ

بعض فوائد امام غائب

آنحضرت کا وجود شریف لوگوں پر نزول رحمت کا باعث اور ان سے ارتفاع عذاب کا موجب ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض یعنی اگر خدا دفع نہ کردے بعض لوگوں کے عذاب کو[1]

[1] قصہ حضرت لوط بھی اسرار پر شاہد ہے ۱۲ منہ

فائدہ۔ امامیہ ہیں سے تو کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے کہ جناب امام صاحب الزماں حضرت امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں اور وہ جناب پیدا ہو چکے ہوئے ہیں۔ لیکن بامر خدا ہماری نظروں سے الی ماشاء اللہ غائب ہو گئے ہوئے ہیں۔ لیکن اہلسنت کے علمائے کرام سے بھی کئی حضرات آنجناب کی ولادت کے اور غیبت کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) محمد قرشی۔ کتاب مطالب السئول (۲) محمد بن یوسف کنجی شافعی۔ کتاب البیان اور انہوں نے اسی مطلب میں چوبیس باب لکھے ہیں (۳) شمس الدین حنفی سبط ابن جوزی (۴) علی صباغ مالکی۔ کتاب فصول المہمہ (۵) عبداللہ خشاب۔ کتاب تاریخ موالید (۶) امام عبدالوہاب شعرانی۔ کتاب یواقیت وجواہر (۷) شیخ حسن عراقی یہ زیارت کے بھی مدعی ہیں (۸) سید علی خواص۔ کتاب یواقع ولواقیت یہ مدعی زیارت بھی ہیں (۹) ملا جامی۔ کتاب شواہد النبوہ۔ یہ آپ کی ولادت کو مثل امامیہ بہ تفصیل بیان فرماتے ہیں۔ (۱۰) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کتاب فتوحات مدعی زیارت بھی ہیں (۱۱) خواجہ پارسا۔ کتاب فصل الخطاب (۱۲) جمال الدین محدث کتاب روضۃ الاحباب (۱۳) عبدالرحمن صوفی۔ کتاب مراۃ الاسرار (۱۴) علی اکبر مودودی۔ کتاب مکاشفات بر حواشی نفحات الانس (۱۵) احمد بلاذری۔ انہوں نے خود آنجناب سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے اور اس حدیث کو شاہ ولی اللہ نے رسالہ فوادر میں اور شمس بن جزری نے مسلسلات شیخ محمد بن عقلہ مکی سے نقل کرکے تسلیم کیا ہے (۱۶) شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر مواج۔ کتاب ہدایۃ السعداء۔ آنحضرت ۲۵۵ھ میں پیدا

بقیہ دیکھو اگلا صفحہ

ساتھ بعض کے تو البتہ فاسد ہوجائے زمین - اور نیز خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صلوات وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا یعنی اگر دفع نہ کردے خدا بعض لوگوں کے عذاب کو ساتھ بعض کے تو البتہ گرائے جائیں تکیے اور معابد نصاری اور عبادت خانے اور مسجدیں کہ ذکر کیا جاتا ہے ان میں نام اللہ کا بہت - اور نیز فرمایا ہے وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم یعنی ہرگز خدا ان کو عذاب نہیں کریگا جب تک کہ تو ان میں ہے - ان آیات سے ثابت ہؤا کہ وجود نبی وامام

پچھلے صفحہ کا بقیہ - ہوئے اور بعد از وفات جناب امام حسنؑ جو آپ کے والد تھے سروا بہ سرمن رائے میں غائب ہو گئے جناب کا قیام گاہ خدا کو معلوم ہے - قریباً ۷۰ سال تک آپ کا کوئی نہ کوئی سفیر ہوتا تھا - جو لوگوں کے معروضات خدمت بابرکت میں پہنچا کر جواب لا دیتا تھا - اور لوگ سفرا کے کئی قسم کے امتحان کر کے اور کرامات دیکھ کر تصدیق کرتے تھے - اس زمانہ میں بہت اخیار کو خدمت امامؑ میں شرف حضور حاصل ہؤا - اس غیبت کو غیبت صغرےٰ کہتے ہیں بعد اس کے جناب نے اپنا کوئی سفیر مقرر نہ فرمایا اور غیبت کبریٰ شروع ہوئی جو اب تک ہے - آنجناب سے بکثرت احادیث روایت کی گئی ہیں - اور بہت سے معجزات مذکور ہیں - جس کا جی چاہے - نجم الثاقب اور بحار الانوار میں دیکھ لے ؛

طول عمر میں تعجب کرنا جہالت ہے - کیونکہ اس میں کوئی محال لازم نہیں آتا - بلکہ آپ سے پہلے بھی کئی اشقیا و اتقیا کی عمریں طولانی مذکور و مسلم ہیں - مثلاً حضرات نوحؑ و شعیبؑ لقمانؑ علیہم السلام اور عادؔ و عوجؔ کی - اور اشقیا اتقیا سے کئی ایک قیامت تک زندہ رہینگے - حضرات خضر و الیاس و ادریس و عیسیٰ علیہم السلام اور ابلیس و دجال ؛

پہلے انبیاء کو بھی ایسی غیبت واقع ہو چکی ہے مثلاً حضرت ادریس و صالح و ابراہیم و یوسف و موسیٰ و سلیمان و آصف و دانیال و عزیر کو اور خود جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰ بہت مدت تک غار و شعب ابو طالب و طائف میں پوشیدہ رہے اور غیبت جناب امام ہمامؑ میں خدا تعالیٰ کی کچھ مصلحت ہے جو حضرت خضر کے کشتی میں سوراخ کرنے - بچے کو مار ڈالنے اور دیوار تعمیر کر دینے کی مصلحت کی طرح ظاہر نہیں ہے - فقط ۃ

خواہ وہ ظاہر ہوں یا غائب لوگوں پر سے ارتفاع عذاب الٰہی کا باعث ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود امام باعث قیام زمین ہے اور عدم امام باعث فساد اور ہلاکت زمین ہے۔ اخوند ملا محمد باقر مجلسی اعلی اللہ مقامہ نے فوائد غیبت امام میں فرمایا ہے کہ امام غائب کے فیوض و برکات خلقت پر وارد ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی شبہ عامی واقع ہو جاوے تو امام علیہ السلام ان کو ایسے طور پر ہدایت فرما دیتا ہے کہ لوگ اس کو نہ پہچانیں۔ اور اکثر اوقات امام کا غائب ہونا ایک جماعت کے حق میں لطف ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ جانتا ہے کہ اگر آنحضرت ظاہر ہوں تو وہ جماعت ایمان نہ لائیں گے۔ بلکہ اکثر مخلوق اسی قسم کی ہے کیونکہ آنحضرت کے حضور میں تکالیف شدید تر مثل جہاد وغیرہ کے اٹھانی پڑتی ہیں۔ اور اکثر سلاطین اور متکبر اشخاص ہیں جو غیبت میں امام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور امام کے حضور کی آرزو رکھتے ہیں۔ مگر آنحضرت کے حضور میں جب کہ آپ شریف و وضیع اور بادشاہ اور گدا کو باہم برابر فرماویں گے۔ وہ تاب نہیں لاسکیں گے اور کافر ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا طلحہ اور زبیر کو عطیہ میں ایک غلام آزاد شدہ کے ساتھ برابر رکھنا ان کے انحراف کا باعث ہوا۔ اور حالت غیبت میں وجود امام کے لطف ہونے کے واسطے یہی کافی ہے کہ ان کے موجود ہونے کا اور انکی امامت کا اعتقاد ثواب غیر متناہی کے حصول کا موجب ہے اور سید مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کتاب شافی اور رسالہ غیبت میں فرمایا ہے کہ امام غائب کے وجود سے ایک انتفاع یہ ہے کہ جب لوگ ہر وقت آنحضرت کے ظہور کا احتمال رکھتے ہیں۔ تو یہ امر بھی انکے قبائح سے باز رہنے کا باعث ہوتا ہے۔ پس امام کے نہ ہونے میں اور امام کے غائب ہونے میں بڑا فرق ہے۔ دوم یہ کہ حق تعالیٰ لطف عمل میں لایا ہے

لہ قولہ تعالیٰ ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم وھم لا یشعرون وقولہ تعالیٰ ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ۔

اور اس سے انتفاع کے مانع دشمنان آنحضرت ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ مکہ ہیں تھے اور کفار قریش لوگوں کے آنحضرت سے انتفاع پانے میں مانع ہوتے خصوصًا ان چند سالوں میں جبکہ آنحضرت سب بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابیطالب میں پوشیدہ تھے۔ اور کفار قریش لوگوں کے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے مانع ہو لئے۔ اور آنحضرت ان ایام میں غار میں مخفی رہے۔ اس وقت تک کہ مدینہ میں نزول اجلال فرمایا۔ اور باوجود اس کے یہ امر منافی لطف وجود نبی میں نہ ہوں۔ محرر اوراق عرض کرتا ہے کہ امام کے وجود کے واجب ہونے میں جو ادلہ کہ قواعد علماء و عرفا سے مستنبط ہوتی ہیں اور ذہن قاصر میں حاضر ہیں اس قدر ہیں۔ کہ اگر انکو بہ تفصیل لکھا جاوے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ انکا اظہار از قبیل اظہار اسرار ہے جو کہ ممنوع ہے۔ پس میں انکے لکھنے سے معذور ہوں کیونکہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ نے مرکز دائرہ علوم کو فرمایا یا علی الاسرار صونوا ھا عن الاغیار یعنی اسرار کو اغیار سے محفوظ رکھو۔ لہذا اسی مختصر بیان پر اکتفا کیا گیا۔ ناظرین سے استدعا ہے کہ اگر اس میں کوئی لغزش یا خطا واقع ہوئی ہو تو اصلاح فرماویں میں بندۂ ناچیز قابل نکتہ چینی کے نہیں ہوں۔ کہ از سر تا پا خطا کار بلکہ عین خطا ہوں۔ اور محض بے لیاقت اور بے استعداد آدمی ہوں والحمد للہ رب العالمین فقط

تمام شد

غیبت امام پر ایمان رکھنے سے عقائد صحیحہ مدعیان کذاب کے تصرف و تحریف سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ امر وجود امام حق کے باعث سے ہے فقط ۱۲ خاکسار خادم علی

مختصر فہرست کتب

نور ایمان طبع دوازدہم } یہ کتاب مستطاب مقبول و زبانزد خلائق اور شہرہ آفاق ہو چکی ہے۔ قبل ازیں گیارہ ایڈیشن اس کے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں اور جو شہرت شیعہ قوم میں اس نے حاصل کی ہے۔ شائد ہی کسی دوسری کتاب نے کی ہو۔ لہذا اس کے مضامین کی مکمل فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں*

لیکن ہم نے بارھواں ایڈیشن اس کا طبع کرایا ہے۔ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ترمیم و اضافہ نے تمام گذشتہ ایڈیشن منسوخ کر دئے ہیں (۱) حجم بڑھا دیا گیا ہے (۲) کاغذ بہترین لگایا گیا ہے (۳) فہرست مضامین کے علاوہ ٹائیٹل پیج عمدہ اور رنگین تین رنگ میں چھپا ہے (۴) حضرت مصنف اعلام جناب مولانا سید خیرات احمد صاحب مدظلہ کی عکسی تصویر بھی شامل کی گئی ہے۔ جس نے کتاب کی حسن و خوبی کو چار چاند کر دیا ہے (۵) کتابت و طباعت ایسی عمدہ ہے کہ پہلے کسی ایڈیشن میں یہ نفاست نہ تھی (۶) ولائتی طرز پر کتابیں مجلد بھی کرا دی گئی ہیں (۷) جلد کے اوپر سنہری ڈائی۔ جس نے مجلد کتاب کو اور بھی مزین کر دیا ہے (۸) ان سب خوبیوں کے باوجود اس کتاب کی قیمت سابقہ ہی عہ/ مجلد ولائتی ۸/ رکھی گئی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جملہ مومنین نور ایمان سے اپنے اپنے کتب خانہ کی زینت بڑھائیں گے فی الواقع نور ایمان کا اضافہ ہے۔ آج ہی فرمائش کے خطوط لکھ دیجئے کیونکہ اس ایڈیشن کی کتابیں دھڑا دھڑ نکل رہی ہیں اور آئندہ ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے*

مفاتح البرکات } مصنفہ جناب مولانا مولوی حاجی مرزا احمد علی صاحب قبلہ امرتسری ضلع ملتان کے ایک پیر صاحب قطب شاہ نامی نے شیعوں کی ترقی سے کباب ہو کر اپنے مریدوں کو دام میں رکھنے کے لئے ایک کتاب شوائظ البرقات لکھی اور جناب مولانا صاحب نے اپنے باطل کش قلم کو اس کے جواب کے لئے متحرک کیا اور اپنی کمال عنایت سے مفاتح البرکات (جواب) شوائظ البرقات لکھ کر مخالف کی حرکت مذبوحی کو ہمیشہ کے لئے ساکن کر دیا اور دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے تیز حربوں سے باطل کی رگ رگ کو کاٹ دیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۱۲/

رسالہ آئینہ مذہب سُنی (نو ترمیم) } مؤلفہ حاجی و ڈاکٹر نور حسین صاحب کربلائی جعفری جھنگ سیالوی سابق حنفی سنی۔ یہ رسالہ مذہب سُنی کی نہایت ہی معتبر اور مستند کتب صحاح ستہ سے عموماً اور بخاری سے خصوصاً بڑی محنت اور مشقت سے تیار کیا گیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ اہلسنت والجماعت نے مذہب اسلام کو بدنام کیا ہے۔ جس قدر اعتراضات اور مطاعن و نقائص و مصائب اسلام پر غیر مذاہب آریہ ہندو و عیسائی کی طرف سے ہوئے ہیں انکے ذمہ وار کتب تفاسیر اہلسنت ہیں۔ غرضیکہ مؤلف نے اس میں ہر ایک اصولی بحث کر کے ہمیشہ کے لئے مناظرہ شیعہ و سُنی کو بند کر دیا ہے رسالہ آسان و عام فہم ہے۔ ہر ایک مومن کے پاس اس کتاب کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ عہ/

انوار القرآن } مؤلفہ حاجی ڈاکٹر نور حسین صاحب ساہر جھنگ سیالوی سابق سنی اس میں روئیداد مباحثہ جھنگ شیعوں کا ایمان فضائل قرآن عقائد علمائے کرام شیعہ فیصلہ قرآنی جواب اعتراضات انجمن صدیقی